ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
www.tanzeem.org
21
10 تا 16 جمادی الثانی 1431ھ / 25 تا 31 مئی 2010ء

اس شمارے میں

شرمندہ اپنے آپ سے ہے اُمتِ رسولؐ

توبہ اور اُس کی شرائط

اگر اب بھی نہ سنبھلے تو!!!

میرے نانا ابا

قرآنی پیغام پہنچانے میں ڈاکٹر صاحب اپنی مثال آپ ہیں

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کو علماء کرام کا خراجِ تحسین

کٹھ پتلی حکومت کا قیام اور تیل پائپ لائن معاہدے

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

نظامِ باطل! اُمّ المصائب اور اُمّ المسائل

مسلمانانِ پاکستان کی اکثریت یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ وہ دہشت گردی، لوڈشیڈنگ، مہنگائی اور بے روزگاری کے عذاب میں کیوں مبتلا ہیں۔ ہم پر خائن، بددیانت اور بزدل قیادت کیوں مسلط ہے۔ ہم ایٹمی قوت ہیں لیکن ہمارے علاقوں پر ڈرون حملوں کی بارش ہوتی ہے جس سے بچے، بوڑھے اور عورتیں خون میں نہا جاتے ہیں لیکن حکومت خاموش تماشائی بنی رہتی ہے۔ ہمارے نزدیک ہماری ذلت اور بزدلی کی ایک اور صرف ایک وجہ ہے، وہ یہ کہ قیامِ پاکستان کے وقت کیے گئے اس عہد سے ہم منحرف ہو گئے کہ پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ۔ ہم اس عذاب میں مبتلا رہیں گے جب تک اس باطل اور فرسودہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ نہیں پھینکتے۔ لیکن یہ کام ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے یا محض حالات کا ماتم کرنے سے نہیں بلکہ انقلاب برپا کرنے سے ہوگا اگرچہ اس انقلاب کے لیے خود حقیقی مسلمان بنا ہوگا، اور ایسی دینی جماعت سے منسلک ہونا ہوگا جو پاکستان میں نظامِ خلافت قائم کرنے کے لیے مخلص ہو۔

منجانب:
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
A-67، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور
فون: 35858212-36316638

الھدیٰ (419)

سورۃ الانفال

(آیات:64تا66)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۴﴾ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ
صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ
اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۶۶﴾﴾

’’اے نبیؐ! اللہ تم کو اور مومنوں کو جو تمہارے پیرو ہیں، کافی ہے۔اے نبیؐ! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو کافروں پر غالب رہیں گے۔اور اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے، اس لئے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے۔اب اللہ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور معلوم کر لیا کہ (ابھی) تم میں کسی قدر کمزوری ہے۔پس اگر تم میں ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب رہیں گے، اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے۔اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کا مددگار ہے۔‘‘

اس آیت کا ایک ترجمہ یہ ہے کہ ’’اے نبیؐ آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ لوگ جو آپؐ پر ایمان لائے ہیں‘‘۔ دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ’’اللہ آپؐ کے لیے اور آپؐ کے ساتھ ایمان لانے والوں کے لیے کافی ہے‘‘۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا سہارا آپؐ کو بھی ہے اور آپؐ کے صحابہؓ کو بھی اُسی کا سہارا ہے۔

اب نبی ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیں۔ یہاں یاد رکھیے کہ 9ھ میں جنگ تبوک کا موقع وہ واحد موقع ہے جب نفیر عام ہوئی اور ہر شخص کے لیے جہاد پر نکلنا فرض ہوا، ورنہ اس سے پہلے پورے 9 برس تک قتال فی سبیل اللہ کی صرف ترغیب اور تحریض ہی ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ النساء میں بتایا گیا ہے کہ جس وقت جہاد کے لیے محض ترغیب ہی تھی، جہاد فرض نہیں تھا، اُس وقت جو لوگ قتال کے لیے نکلے ان کے درجات بہت اونچے ہیں، اگرچہ نہ نکلنے والوں پر مواخذہ بھی نہ تھا۔

اے مسلمانو! اگر تم قتال کے لیے نکلو گے تو تمہارے بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو وہ کافروں کے ایک ہزار پر غالب ہوں گے۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔ یعنی وہ ایسے لوگ ہیں کہ انہیں اپنے موقف کی حقانیت کا یقین نہیں ہے۔ایک شخص وہ ہے جس کا دل پوری طرح سے مطمئن ہے کہ وہ حق پر ہے۔اور ایک دوسرا شخص ڈھل مل یقین ہے اور مارے باندھے کا لڑ رہا ہے یا محض تنخواہ یافتہ سپاہی ہے۔ظاہر ہے تو ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔اول الذکر تو جرأت اور بہادری کے ساتھ لڑے گا جبکہ بے یقین اور مجبوری کے تحت لڑنے والا میدان جنگ میں ثابت قدمی نہیں دکھا سکے گا۔

اگلی آیت اس کے کچھ عرصے بعد نازل ہوئی۔

فرمایا، اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی ہے اور اللہ کے علم میں ہے کہ اب تمہارے اندر کچھ کمزوری آ گئی ہے۔ لہٰذا اب ایسا ہے کہ اگر تمہارے اندر سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آ جائیں گے اور یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ یہاں جس کمزوری کا ذکر ہے، یہ کمزوری سابقون الاولون، مہاجرین اور انصار کے اندر واقع نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی معاذ اللہ ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، یا سعد بن معاذؓ میں کمزوری آئی تھی۔البتہ وہ لوگ جو ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہو رہے تھے، ان کی وجہ سے اگرچہ quantity میں تو اضافہ ہو رہا تھا مگر quality نسبتاً پہلے والی نہ رہی تھی۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عادل اور ظالم حکمران

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ اَدْنَاھُمْ مِنْہُ مَجْلِسًا، اِمَامٌ عَادِلٌ وَاَبْغَضَ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ اَبْعَدَ ھُمْ مِنْہُ مَجْلِسًا اِمَامٌ جَائِرٌ)) (رواہ الترمذی)

حضرت ابو سعید حدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب اور اس کی بارگاہ میں سب سے زیادہ مقرب انصاف کرنے والا حکمران ہوگا اور اس دن اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور اس کی بارگاہِ عالی سے سب سے زیادہ دور ’’ظالم حاکم ہوگا‘‘۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 19 — 10 تا 16 جمادی الثانی 1431ھ — 25 تا 31 مئی 2010ء — شمارہ 21

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد **طابع**: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبوب الحق عاجز

شرمندہ اپنے آپ سے ہے اُمّتِ رسولؐ

امریکی ریاست واشنگٹن کے شہر سیٹل کی ایک ملعون خاتون کارٹونسٹ مولی نورس کی جانب سے 20 مئی کو گستاخانہ خاکوں کا دن منانے کے اعلان اور انٹرنیٹ پر توہین آمیز خاکوں کا مقابلہ جیسے گھناؤنے اقدام کے خلاف عالم اسلام میں شدید احتجاج ہو رہا ہے۔ جس میں اس صلیبی وصیہونی مذہبی دہشت گردی کی بھرپور مذمت اور اُس پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ گستاخ ممالک کی مصنوعات کے بائیکاٹ اور ذمہ داران کے خلاف کارروائی تک سفارتی تعلقات منقطع کرنے کے مطالبات کیے جا رہے ہیں۔ اُدھر سرکاری سطح پر پاکستان اور ایران سمیت بعض دوسرے ممالک میں 'فیس بک' کو بند کر دیا گیا ہے۔

یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی کی ناپاک جسارت کی گئی ہو۔ یہ سلسلہ گزشتہ چند سال سے تسلسل سے جاری ہے۔ اس سازش کا آغاز 30 ستمبر 2005ء میں ڈنمارک کے چیتھڑے اخبار ''جیلنڈز پوسٹن'' میں توہین رسالت پر مبنی کارٹونوں کی اشاعت سے ہوا تھا۔ اس کے پس پردہ توہین رسالت کا وہ شیطانی منصوبہ کارفرما تھا جو 5 مئی 2005ء کو جرمنی کی ریاست بویریا میں صیہونی گروپ ''بلڈر برگر آرگنائزیشن'' کی ایک کانفرنس میں تیار ہوا تھا۔ ان خاکوں پر مسلمانوں کی طرف سے شدید احتجاج ہوا۔ تاہم جب معاملہ وقتی طور پر دب گیا تو مغرب نے اگلا قدم اُٹھایا۔ 10 جنوری 2006ء کو ناروے کے ایک اور اخبار ''واگ بلات'' نے انہیں انٹرنیٹ ایڈیشن میں شامل کر کے اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا۔ مسلمانوں نے احتجاج شروع کیا، مگر جیسے جیسے احتجاج نے شدت اختیار کی، یورپ کے دوسرے اخبارات نے بھی آزادیٔ اظہار کے نام سے یکے بعد دیگرے یہ خاکے شائع کیے۔ امریکہ اور برطانیہ سمیت فرانس، جرمنی، اٹلی، سپین اور دوسرے ممالک کے اخبارات نے نہ صرف خاکے شائع کیے بلکہ ڈنمارک کے ساتھ اظہارِ یکجہتی بھی کیا۔ امریکی سفیر برائے ڈنمارک نے دہرایا کہ امریکہ کی سو فی صد حمایت ڈنمارک کے ساتھ ہے۔ اُس نے مزید کہا کہ امریکہ آزادیٔ اظہار و تقریر کی مکمل حمایت کرتا ہے اور کارٹون شائع کرنے والوں کے معاملہ میں کبھی مداخلت نہیں کرے گا۔ یہی معاملہ یورپی ممالک اور ویٹی کن کا رہا۔

یہ سارا پس منظر یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ توہین رسالت کا حالیہ اقدام نہ محض اتفاق ہے، نہ ناسمجھی کی بنا پر ہے بلکہ صلیبیوں اور صیہونیوں کی یہ ابلاغی دہشت گردی طے شدہ منصوبہ کا حصہ ہے۔ وہ ایسی ناپاک جسارتوں کے ذریعے مسلمانوں سے اُن کا آخری مورچہ بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔ وہ پیغمبر اسلام اور شعائر اسلام کی بے حرمتی کر کے اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلا کر اسلام کی راہ روکنا چاہتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں اسلام جس تیزی سے پھیل رہا ہے اُس نے صیہونی فتنہ گروں اور کارپوریٹ صلیبی دہشت گردوں کی راتوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ اسلامی دنیا میں احیائی اور جہادی تحریکوں نے اُن کے نیو ورلڈ آرڈر کے عالمی سطح پر قیام کے لیے خطرے کا بگل بجا دیا ہے۔ لہٰذا وہ سیاسی، عسکری اور ثقافتی و فکری محاذ پر تو پہلے ہی عالم اسلام سے برسرِ پیکار تھے، اب کچھ عرصہ سے اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آئے ہیں۔ چنانچہ کبھی جوتوں کے نیچے معزز ہستیوں کے نام چھاپے جاتے ہیں۔ کبھی قرآن کریم کی بے حرمتی کی جاتی ہے۔ کبھی مکے اور مدینے پر حملہ کی دھمکی دی جاتی ہے۔ کبھی شاتمِ رسولؐ سلمان رشدی کے ذریعے پیغمبر اسلام کے خلاف زہر اُگلوایا جاتا ہے۔ کبھی مسلمان خواتین کے حجاب اور پردے پر پابندی لگائی جاتی ہے۔ کبھی مسجد کے مینار اہل یورپ کے سینے کا خنجر بنتے ہیں اور کبھی اُن کی ''رواداری'' اور ''مذہبی آزادی'' انہیں پردہ دار مسلمان خواتین کو ملازمتوں سے برطرف کرنے پر اکساتی ہے۔ کبھی اسلام کی توہین کرنے والوں کو اعزازات دے کر مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کی جاتی ہے۔

حیرت ہے، نائن الیون کے صیہونی ڈرامے کے بعد متعصب مغربی دنیا آزادیٔ اظہارِ رائے کی آڑ میں ایک طرف ایسے گھناؤنے اقدامات کر رہی ہے، جو ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے کلیجے چھلنی کرنے کا باعث بنتے ہیں،

اور دوسری جانب برابر مذہبی رواداری کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے، ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے اور تہذیبوں کے مابین مکالمے کے راگ الاپے جا رہے ہیں۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں کہ اہل مغرب خود تو عدم برداشت کا رویہ اپنا کر اور ہمارے سرچشمہ یقین اور محبوبِ ربانی نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی جیسے شیطانی فعل کے مرتکب ہو کر بھی روادار کہلائیں، مسلمانوں کے اپنے دین پر عمل پیرا ہونے کے راستے میں قدم قدم پر روڑے اٹکا کر بھی روشن خیال ہونے کے دعوے کریں جبکہ مسلمان جو پورے طور پر دوسروں کے مذہبی جذبات کو ملحوظ رکھیں، انہیں محض اپنے دین کی تعلیمات اپنانے اور اس کے نفاذ و قیام کے لیے جدوجہد کی بنا پر انتہا پسند، بنیاد پرست اور دہشت گرد قرار دے دیا جائے۔ اس ''جرم'' کی پاداش میں انہیں نفرت کا نشان بنا دیا جائے۔ اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے۔ اُن پر ڈیزی کٹر بموں کی بارش کی جائے۔ ڈرون حملوں کے ذریعے اُن کے گھروں کو تباہ کر دیا جائے اور بیوی بچوں کے چیتھڑے اڑا دیئے جائیں۔ کیا تہذیبی مکالمہ اسی طور سے آگے بڑھے گا کہ آپ دوسروں کو دیوار سے لگاتے جائیں، اُن کے معتقدات پر حملے کریں، اُن کے ایمان پر ڈاکہ ڈالیں، اُن کے طرز زندگی سے دنیا بھر میں نفرت پیدا کرنے کے لیے اپنے تمام وسائل جھونک دیں۔ اور وہ ماتحت ذاتی ملازموں کی طرح آپ کے بھاشن سنیں اور انہیں حرز جاں بنالیں۔ آپ کی شنیع حرکات اور انتہا پسندانہ اقدامات کا کہیں بھی کوئی ردعمل نہ ہو۔ آپ کے مفادات کو کوئی زک نہ پہنچے۔ آپ کے خلاف نفرت اور انتقام کے شعلے نہ بھڑکیں۔ کیا یہ ممکن ہے؟

یہ درست ہے کہ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے بعد جس سیاسی فکر نے جنم لیا، اُس کے تحت ایک عرصہ تک یورپ صلیبی جنونیت سے کسی حد تک آزاد رہا۔ مذہبی رواداری معاشرے کا جزو بنی رہی۔ دوسرے مذاہب کو کسی قدر آزادی دی گئی۔ مگر گزشتہ دو تین دہائیوں سے صورتحال میں تدریجاً تبدیلی آنا شروع ہوئی۔ بالخصوص 1991ء میں سابق سوویت یونین کا شیرازہ بکھیر دینے کے بعد جب نیٹو لشکر نے اسلام کو اپنا ہدف قرار دیا، کل روئے ارضی پر اسلام اور مسلمانوں پر قافیہ حیات تنگ کیا جانے لگا ہے۔ اسلام کے خلاف تمام محاذوں پر جنگ لڑی جا رہی ہے۔ اس صورتحال کے تناظر میں جب اہل مغرب رواداری، تہذیبی مکالمے اور عالمی امن کے قیام کی بات کرتے ہیں تو یہ سراسر دھوکہ اور ڈھونگ ہی دکھائی دیتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ آپ عملاً تو تہذیبی تصادم کی راہ پر چل رہے ہیں، اور زبانی زور تہذیبوں کے مابین مکالمے پر دے رہے ہیں۔

موجودہ صورتحال امت مسلمہ کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی کوئی نئی بات نہیں۔ ہمیں آغاز ہی میں بتا دیا گیا تھا کہ یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز خوش نہیں ہوں گے جب تک کہ تم اُن کے مذہب کو اختیار نہ کر لو۔ سوال یہ ہے کہ اس کے ازالے کے لیے کیا کیا جائے۔ کیا یہی کافی ہے کہ ریاستی سطح پر تو ہم مسلمان گونگے بہرے ہوں، اقتدار کے ایوانوں سے اس کے خلاف کوئی مؤثر ردعمل ظاہر نہ کیا جائے اور محض عوامی سطح پر احتجاجی جلسے جلوس اور مظاہرے کر لیے جائیں اور کہیں کہیں سرکاری سطح پر فیس بک کی ویب سائٹ کو بلاک کر دیا جائے۔ اس شنیع حرکت کے خلاف صدائے احتجاج تو اس کا کم سے کم تقاضا ہے، جسے ہمیں بہرصورت پورا کرنا ہے، تاکہ دشمنوں کو معلوم ہو سکے کہ جسد ملی میں روح ابھی باقی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ اِن ممالک کی مصنوعات کا بائیکاٹ بھی کیا جائے اور ریاستی سطح پر کچھ فوری اقدامات کیے جائیں۔ سب سے پہلا قدم یہ ہوگا کہ تمام اسلامی ممالک باہم مل کر امریکہ سے پرزور احتجاج کریں، عالم اسلام کو اپنی قوت کا ادراک ہونا چاہیے۔ یہ درست ہے کہ عسکری اور جنگی ٹیکنالوجی میں امریکہ ہم سے بہت آگے ہے، مگر ہم جذبہ شہادت سے سرشار عظیم افرادی قوت رکھتے ہیں، جو ہماری سب سے بڑی طاقت ہے۔ ہمارے پاس دنیا کے تیل و گیس کے سب سے بڑے ذخائر موجود ہیں۔ اگر مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم او آئی سی جس نے اب تک انتہائی مایوس کن کردار ادا کیا ہے، اب بھی ہوش میں آ جائے اور یہ طے کر لے کہ کسی مسلمان ملک پر حملہ کی صورت میں یا گستاخانہ خاکے یا اس جیسے کسی اور اقدام پر مسلمان اُس ملک کے خلاف متفقہ طور پر راست اقدام کریں گے، جس میں سفارتی تعلقات کے ساتھ ساتھ تجارتی تعلقات کا انقطاع بھی ہو سکتا ہے، تو اس سے اگرچہ معاشی طور پر مسلمانوں کو بھی کچھ نقصان پہنچے گا لیکن غیر اسلامی دنیا کو ناقابل تلافی نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ مسلمانوں نے ابھی دو دن فیس بک استعمال نہیں کی تو فیس بک والوں کو 2 بلین یورو کا نقصان ہو گیا۔ اگر اجتماعی اور ملی سطح پر راست اقدام کیا جائے تو مغرب کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔

دوسرا قدم یہ کہ اس مسئلہ کو عالمی فورم پر اُٹھایا جائے، جیسا کہ ہماری سینٹ نے بھی یہ مطالبہ کیا ہے۔ اقوام متحدہ اگرچہ عملاً امریکہ کی لونڈی کا روپ دھار چکی ہے، تاہم اُس میں مسلمانوں کی مؤثر نمائندگی موجود ہے۔ اُس کے پلیٹ فارم پر عصمتِ انبیاء کرام کے قانون کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر برطانیہ میں ملکہ کو برا بھلا کہنا جرم ہے تو عالمی ادارہ سے جو بظاہر تہذیبی مکالمے کا دعویدار ہے، عصمت انبیاء کرامؑ کے قانون کا مطالبہ کیوں نہیں منوایا جا سکتا۔

تیسری بات جس پر ہمارے عوام و خواص سب کو غور کرنا چاہیے، یہ ہے کہ امت مسلمہ ہر قسم کے وسائل رکھنے کے باوجود اعدائے اسلام کی نگاہ میں اس قدر بے وقعت کیوں ہو گئی ہے کہ امریکہ اور اُس کے یورپی اتحادی عسکری، تہذیبی، فکری یلغار کے بعد اب براہ راست ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا تو ہم سے سربلندی و کامرانی کا وعدہ ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اتنے کمزور ہو گئے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو صلیبی و صیہونی انتہا پسندوں کی نبی کریم ﷺ کی برگزیدہ ہستی کی شان میں گستاخی درحقیقت ملت اسلامیہ کی توہین ہے۔ یہ بحیثیت امت مسلمہ ہماری بے توقیری کا کھلا اعلان ہے۔ یہ دشمنوں کی طرف سے اس بات کا پیغام ہے کہ تم ڈیڑھ ارب ہونے کے باوجود ہماری نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہم نے پہلے تو اپنے چند اخبارات میں توہین آمیز خاکے شائع کیے اور تمہارے احتجاج کو پرکاہ برابر حیثیت نہیں دی۔ اب توہین آمیز خاکوں کو انٹرنیٹ کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہماری اس بے وقعتی کا اصل سبب دنیا پرستی، اسلامی شریعت سے انحراف، اور اسلام کے طرز حکمرانی خلافت کی عدم موجودگی ہے جو ہماری شان و شوکت اور قوت کا مظہر ہے۔ اس کے بغیر مسلمانوں اور اسلام کی قوت و شوکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اُس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو، وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو، وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔'' (کنز العمال)

کتنے افسوس کی بات ہے کہ دنیا کے نقشے پر اٹھاون مسلم ممالک موجود ہیں، مگر کہیں بھی اسلامی اقتدار قائم نہیں۔ پورا عالم اسلام سیکولر جمہوریتوں اور جابرانہ بادشاہتوں کے شکنجے میں ہے ؎

ہم اپنے دیں کی کوئی بھی خدمت نہ کر سکے
اور حرمتِ نبیؐ کی حفاظت نہ کر سکے
باطل کی جسارت مگر پھر بھی نہیں قبول
شرمندہ اپنے آپ سے ہے اُمتِ رسولؐ

☆☆☆

ہماری موجودہ زبوں حالی کا اصل سبب اسلام سے روگردانی اور علاج سچی اجتماعی توبہ ہے
کیا ہم اب بھی نفاذ شریعت کی طرف ٹھوس پیش قدمی کر کے اللہ کی مدد کو نہیں پکاریں گے؟

اجتماعی توبہ اور اُس کی شرائط

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 7 مئی 2010ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۂ یونس، سورۃ التحریم، سورۃ البقرہ اور سورۂ محمد کی چند آیات کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! پچھلے جمعہ کو ملک کے ابتر حالات، خاص طور پر معاشی بدحالی، لوڈ شیڈنگ کے عذاب، کرپشن کے زہر اور مہنگائی کے سیلاب کے حوالے سے گفتگو ہوئی تھی۔ نیز قرآن حکیم کی روشنی میں اس کے اصل سبب اور علاج کی نشاندہی بھی کی گئی تھی۔ آج اسی موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے اجتماعی توبہ کے حوالے سے گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

اس وقت مسلمانانِ پاکستان پر بھوک اور خوف کے جو دو عذابات مسلط ہیں، سورۃ النحل کی آیت 112 کی رو سے یہ کفرانِ نعمت کی سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر انعامات کرے اور وہ قوم ناشکری اور کفران نعمت کی روش اپنائے تو اُس پر یہ دو عذابات مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ یہی معاملہ ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ پچھلے دنوں 131 علماء کرام نے جمع ہو کر موجودہ ابتر ملکی حالات پر غور کیا گیا۔ اس کے بعد جو مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا اس کے پہلے حصے میں اِن حالات کی اصل وجہ یہی بیان کی گئی ہے کہ یہ دراصل دین سے بے وفائی کی سزا ہے۔ 65 سال گزر جانے کے باوجود ہم نے اس ملک میں شریعت نافذ نہیں کی۔ یہ ہمارا بہت بڑا جرم ہے۔ دیکھئے، آپ ملک کو جمہوری ملک کہتے ہیں۔ یہاں 90% سے زائد مسلمان ہیں۔ اس کے باوجود یہاں شریعت قائم نہیں ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے اصل دشمن ہم خود ہیں۔ ہمارا اصل جرم ہی شریعت سے انحراف ہے۔ اسی وجہ سے ہم امریکی غلامی میں گرفتار ہیں۔ معاشی بدحالی کا مسئلہ بھی شریعت کی تعمیل و نفاذ سے دور ہوگا۔ قرآن مجید کی رہنمائی ہے کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ شریعت عطا کرے، اُس کی خوشحالی اور بدحالی شریعت کے ساتھ موقوف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں اہل کتاب سے کہا گیا کہ اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم کرتے تو اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے نیچے سے بھی۔ ہم نے اپنے مسائل پر غور وفکر اور حل کے حوالے سے کبھی اس "dimention" کو اپنے سامنے نہیں رکھا۔ ہم تو خالصتاً مادی انداز سے سوچتے ہیں جو کہ اہل مغرب کا اندازِ فکر ہے۔ حالانکہ مسلمان تو اللہ پر یقین رکھتا ہے، جس کے قبضۂ قدرت میں کل کائنات کی حکومت ہے۔ اور جس کی پشت پر اللہ ہو اُس کو کسی اور کی کیا احتیاج ہو سکتی ہے۔

اس وقت ہماری اصل ضرورت اجتماعی توبہ اور اپنا قبلہ درست کرنے کی ہے۔ ہمارا قبلہ درست نہیں ہے نہ انفرادی طور پر اور نہ ہی اجتماعی طور پر۔ انفرادی حیثیت میں قبلہ درست نہ ہونے کے حوالے سے تو اقبال کا یہی شعر کافی ہے کہ

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

اسی طرح ہمارا اجتماعی قبلہ بھی درست نہیں۔ ہم نے قومی سطح پر اللہ کو رب ماننے کی بجائے عملاً امریکہ اور واشنگٹن کو رب بنا رکھا ہے۔ عملی طور پر ہمارا قبلہ مرکز توحید خانہ کعبہ نہیں، وہائٹ ہاؤس ہے۔ اپنے تمام مسائل کے حل کے لیے ہم وہیں کا رُخ کرتے ہیں۔ اللہ کو رب بنایا ہوتا تو اُسی کے احکام پر چلتے، لیکن ہم تو امریکی احکامات پر چلتے ہیں۔ ہمارے لیے تو امریکہ کا ایک اشارہ بھی حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ ہمارے بجٹ کے بارے میں پورا نقشہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک ہمیں تیار کر کے دیتے ہیں۔ ہمیں کہا جاتا ہے کہ اب فلاں ٹیکس لگاؤ اور عوام کا اور خون نچوڑو اور ہم بے سوچے سمجھے ایسا کر لیتے ہیں۔ امریکہ کا یہ تسلط دراصل اللہ کا ہم پر عذاب ہے۔ اللہ کا ضابطہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو آزماتا ہے اور کبھی کبھی مسلمان قوم کو اُس کے جرائم کی سزا دینے کے لیے اُس پر کسی ظالم اور جابر قوم کو مسلط کر دیتا ہے۔ سابقہ امت مسلمہ بنی اسرائیل پر اس صورت میں کئی بار عذاب آئے۔ اِس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اُن پر سب سے بڑا عذاب قوم 800 ق م عراق کے فرماں روا بخت نصر کی یلغار کی صورت میں آیا۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں:

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل:5)

"پس جب پہلے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط کر دیئے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔"

شریعت سے روگردانی کے جرم کی سزا ہمیں مختلف صورتوں میں دی جا رہی ہے۔ اگر ہم اِس جرم سے تائب ہو جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ہم سے عذاب ہٹا دے گا اور اُس کی رحمت اور نصرت ہمارے شامل حال ہو جائے گی۔ پس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا قبلہ درست کریں اور قوم یونس کی طرح اجتماعی توبہ کریں۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نینوا کے علاقے میں آباد آشوری قوم کی اصلاح کے لیے مبعوث کیا تھا۔ نینوا کا یہ علاقہ دریائے دجلہ کے کنارے عراق کے شہر موصل کے بالمقابل واقع ہے۔ قوم نے آپؑ کی دعوت حق کو ٹھکرا دیا۔ اللہ کے پیغمبر نے بہتیرا سمجھایا کہ حق کی مخالفت سے باز آ جاؤ، ورنہ اللہ کا عذاب آ جائے گا، مگر قوم اصلاح پر کمربستہ نہ ہوئی۔ قوم کی یہ ہٹ دھرمی دیکھ کر اللہ کے پیغمبر غصے کی کیفیت میں قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اس دوران جب قوم پر عذاب کے آثار شروع

ہوئے تو وہ ایمان لے آئی۔ انہوں نے گڑگڑا کر اللہ کے حضور توبہ کی، تو اللہ نے اُن پر سے عذاب دور کر دیا۔ حالانکہ عذاب کے آثار ظاہر ہو جانے کے بعد اللہ کا عذاب ٹلا نہیں کرتا۔ قوم یونس علیہ السلام کا معاملہ استثناء ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ استثناء غالباً اس وجہ سے تھا کہ جس بستی کی طرف کسی رسول کو بھیجا جاتا ہے وہ اللہ کی طرف سے واضح ہدایت کے آ جانے تک اُس بستی کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ نے یہ تو بتا دیا تھا کہ تیری قوم پر عذاب آنا ہے، لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ کو وہاں سے کب نکلنا ہے۔ لیکن وہ اللہ کی طرف سے اجازت کے بغیر قوم پر غصے ہو کر وہاں سے چل نکلے تھے۔ لہٰذا اللہ نے اُن کی قوم کو یہ رعایت دی۔

گزشتہ 65 سالوں میں ہم نے اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ ہم اللہ کے عذاب کے مستحق ہیں۔ اگرچہ عذاب استحصال جیسا کہ پہلی قوموں پر آتا تھا اس امت پر نہیں آئے گا کہ پوری اُمت ختم کر دی جائے لیکن امت کے ایک حصے پر بہت بڑا عذاب آ سکتا ہے۔ ہماری تاریخ میں اس کی سب سے بڑی مثال ہسپانیہ سے مسلمانوں کا خاتمہ ہے۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی۔ مگر جب اللہ کی پکڑ آئی تو پورے علاقے سے مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ خدانخواستہ اس قسم کا عذاب ہم پر آ سکتا ہے۔ اس کے آثار بالکل واضح ہیں۔ اللہ نے ہماری قوم پر بے شمار نعمتیں کیں۔ سب سے بڑی نعمت تو پاکستان کا معجزانہ قیام ہے۔ اور قیام پاکستان کے بعد اللہ کی بہت بڑی نعمت ہمیں ایٹمی صلاحیت کا ملنا ہے۔ علم و تحقیق کے باب میں ہم دنیا کی پست ترین اقوام میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ نے ہمیں ایٹمی صلاحیت سے نواز دیا۔ لیکن ہم نے اللہ کے انعامات کی ناقدری کی اور شریعت سے روگردانی کا وطیرہ اپنایا۔ اس جرم کی پاداش میں ماضی میں اللہ نے ہمیں یہ سزا دی کہ ہمارا آدھا حصہ مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا۔ افسوس کہ اتنے بڑے سانحہ سے بھی ہم نے کوئی سبق نہیں سیکھا، اور اصلاح پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اب جب کہ ہم خوفناک حالات سے دوچار ہیں، پھر بھی اللہ کی جانب رجوع نہیں کر رہے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں پاکستان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ ہمیشہ رہنے کے لیے بنا ہے۔ کوئی اس کے حصے بخرے نہیں کر سکتا۔ جذبات کی حد تک یہ بات اچھی ہے، مگر تجزیہ کی بنیاد جذبات پر نہیں حقائق پر رکھی جانی چاہیے اور حقائق تو سراسر ہمارے خلاف ہیں۔ اسبابی سطح پر عذاب کے آثار شروع ہو چکے ہیں۔ آج ہماری سالمیت شدید خطرے سے دوچار ہے۔ ہم نے ایٹم بم بنا کر سمجھ لیا تھا کہ محفوظ ہو گئے، مگر اب ایٹم بم کی حفاظت ہمارے لیے عذاب بن چکی ہے۔ بھارت نے ہماری شہ رگ دبوچ رکھی ہے اور ہمارا پانی بند کر دیا ہے۔ امریکہ کی جنگ لڑتے ہوئے ہم اپنے لوگوں کو مار رہے ہیں۔ فوج کا استعمال دشمن کے خلاف ہونا چاہیے۔ ہم اِس کے ذریعے اپنے عوام کا قتل عام کر رہے ہیں۔ جس سے متاثرہ علاقے کے لوگوں میں فوج کے خلاف نفرت کے شدید جذبات پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ

پریس ریلیز:

اپنے دشمن امریکہ سے مقابلے کے لیے ہمیں اللہ کی مدد تب حاصل ہوگی جب ہم اللہ کے دین کو قائم کریں گے

دینی جماعتیں بیلٹ یا بلٹ کے راستے کی بجائے متحد ہو کر ملک میں دین اسلام کے قیام کے لیے پرامن انقلابی جدوجہد کا راستہ اختیار کریں

دوسروں کو انتہا پسندی اور دہشت گردی کا طعنہ دینے والے امریکہ و یورپ خود بدترین نوع کی مذہبی دہشت گردی کا مظاہرہ کر رہے ہیں

حافظ عاکف سعید

1 سول سپریم پاور آن ارتھ آج پاکستان کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اللہ اور اس کے دین سے غداری کی اور اللہ نے ہمیں اغیار کے حوالے کر دیا۔ ہمیں اپنے دشمن سے مقابلے کے لیے اللہ کی مدد کے حصول کے لیے اس کی وفاداری اختیار کرنا ہوگی اور دین کو قائم کرنا ہوگا۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد جامع القرآن، ماڈل ٹاؤن لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا دین کے احکامات میں تقسیم کہ بعض احکام ماننا اور بعض پر عمل نہ کرنے کا ہمارا طرزِ عمل اطاعت نہیں بلکہ بغاوت پر مبنی ہے۔ اگر نماز پڑھنا اللہ کا حکم ہے تو معیشت میں حرام سے اجتناب، عریانی و فحاشی سے نفرت اور دین کو قائم کرنا بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان نفاذ اسلام کے لیے قائم ہوا، لیکن اس ذمہ داری سے مجرمانہ غفلت برتنے کا نتیجہ ہے کہ آج سزا کے طور پر ہم ہمہ گیر مسائل سے نبرد آزما ہیں اور حکمران اپنے وسائل کو ان مسائل کے حل کی بجائے امریکہ کی جنگ میں جھونک رہے ہیں۔ ان حالات میں دینی جماعتوں کو بیلٹ یا بلٹ کے راستے کی بجائے متحد ہو کر ملک میں دین اسلام کے قیام کے لیے پرامن جدوجہد کا راستہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ اللہ کی ناراضی دور ہو اور ہم اللہ کی مدد کے ذریعے اندرونی بیرونی دشمنوں سے نجات کے ساتھ ساتھ اپنی مشکلات پر قابو پا سکیں۔ (پریس ریلیز: 14/مئی 2010ء)

2 دوسروں کو انتہا پسندی اور دہشت گردی کا طعنہ دینے والے امریکہ و یورپ خود بدترین نوع کی مذہبی دہشت گردی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید 'فیس بک' پر گستاخانہ خاکوں کے مقابلے پر تبصرہ کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ کون نہیں جانتا کہ اس گھٹیا حرکت کے پس پردہ یہودی ذہن کارفرما ہے۔ یہ درحقیقت امت مسلمہ کو جرم ضعیفی کی سزا مل رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تمام مسلمان حکومتیں پسپائی اور خوف کو بطور پالیسی اپنائے ہوئے ہیں۔ جب ڈنمارک کے ایک اخبار نے یہ گستاخی کی تھی اُس وقت اگر ستاون مسلم ممالک ڈنمارک سے سفارتی و تجارتی تعلقات منقطع کر دیتے تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ ہماری حکومت کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ اُس نے عدالتی حکم آنے کے بعد ہی 'فیس بک' کو بند کیا۔ مسلمان حکمران یہ سمجھتے ہیں کہ سفید فام سامراج اور استعماری قوتوں کے سامنے سرنگوں ہو کر ہی ہمیں سلامتی مل سکتی ہے، جبکہ وہ ''ڈومور'' کی پالیسی پر گامزن ہو کر بات ملت اسلامیہ کی مکمل تباہی تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سلامتی کے لیے ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑے گا اور جرأت کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ (پریس ریلیز: 20/مئی 2010ء)

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

دراصل پاکستان توڑنے کی سازش ہے، جسے بتدریج آگے بڑھایا جارہا ہے۔ جس امریکہ پر ہم تکیہ کیے ہوئے ہیں وہ ہماری پیٹھ میں خنجر گھونپنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ تازہ ترین معاملہ فیصل شہزاد کا ہے۔ جنرل (ر) حمید گل نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ امریکہ نے ہمارا بازو مزید مروڑنے کے لیے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔

یہ تمام تر صورتحال قوم یونسؑ کی طرح اجتماعی توبہ کی متقاضی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم سچی توبہ کریں۔ توبہ کی چند شرائط ہیں، اُن کو پورا کریں۔ توبہ یہ نہیں کہ ہم میں سے ہر شخص ایک بڑی تسبیح لے کر بیٹھ جائے اور تسبیحات کا ورد شروع کردے جبکہ ہمارے لچھن وہی رہیں، ہمارے شب وروز میں ذرا تبدیلی نہ آئے، ہماری تہذیب وتمدن بھی رہے، ہماری ترجیحات نہ بدلیں، اور ہم کہیں کہ ہم نے توبہ کرلی۔ توبہ کرتے وقت چند شرائط کوملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے گناہوں اور جرائم کا سچے دل کے ساتھ اعتراف اور اُن پر ندامت ہو۔ توبہ نام ہی ندامت کا ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر توبہ توبہ نہیں۔ ہم سچے دل سے اللہ کے حضور یہ عرضداشت پیش کریں کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ہم دین کو چھوڑ کر دنیا کے پرستار بن گئے۔ ہم نے تیرا در چھوڑ کر غیروں کی چوکھٹ پر جبیں رکھ دی۔ ہم نے تیری بندگی کا تقاضا پورا نہ کیا۔ تو نے ہمیں آزاد خطۂ زمین عطا کیا۔ تیرے شکر کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں تیرا عطا کردہ نظام قائم کرتے، لیکن ہم نے یہ کام نہیں کیا، بلکہ ہم نے شریعت کے نام لیواؤں کو کچل کر رکھ دیا۔ الٰہی ہم اپنے کیے پر نادم وشرمندہ ہیں۔ ہمیں معاف فرمادے، ہم سے درگزر فرما۔

اگلا قدم یہ ہے کہ ہم اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں۔ مسلمان ہوتا ہی وہ ہے جو اپنا سر اللہ کے سامنے جھکا دے، جو اللہ کو اپنا خالق ومالک اور رب مان کر اُس کی غلامی قبول کرلے۔ اللہ کی طرف سے جو بھی حکم آئے، اُس کی تعمیل کرے۔ اُس کی اپنی کوئی مرضی نہ ہو، اللہ کی رضا ہی اُس کی منشا ہو۔ وہ شیطان کے نقش قدم پر نہ چلے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ مسلمانی یہ نہیں کہ آدمی سود کھاتا رہے، رشوت سے مال جمع کرے، دنیا بنانے کے لیے ہر ناجائز ذریعہ اختیار کرے اور پھر اپنے آپ کو تسلی دینے کے لیے عمرہ کرلے۔ دراصل شیطان انسان کو یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ جھوٹ بول لو، سود کھا کر اپنے مستقبل کو محفوظ بنالو، کاروبار میں پیسہ لگانے کی بجائے سود کے ذریعے روپیہ کماؤ، یہ دراصل اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے بغاوت کا راستہ ہے۔ مومن کو اپنے آپ کو اس پر چلنے سے بچانا چاہیے۔ اُسے تو یہ حکم ہے کہ

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾﴾ (البقرہ)

”مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔“

اگر آپ نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج بھی کرلیتے ہیں، لیکن زندگی کے باقی معاملات میں احکام شریعت سے کھلم کھلا انحراف کرتے ہیں، اُن پر عمل کا کوئی داعیہ آپ کے اندر پیدا نہیں ہوتا، تو یہ اسلام میں پورا داخلہ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جابجا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا کہ

﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾
(الانفال:1)

”(اے مسلمانو) اللہ اور (اُس کے) رسول کی اطاعت کرو، اگر تم واقعی مومن ہو۔“

اطاعت یہ ہے کہ اللہ اور نبی کریم ﷺ کے تمام احکامات کی بلاچون وچرا پیروی کی جائے۔ اطاعت یہ نہیں کہ نماز روزے کے معاملے میں تو احکام شریعت کی پابندی کی جائے اور اور باقی معاملات میں شرعی احکامات کی ذرا پروا نہ کی جائے۔ اگر ایسا ہے تو یہ جزوی اطاعت ہے، یہ کنارے کنارے کی بندگی ہے جو اللہ کو ہرگز قبول نہیں ہے۔ اگر ایک غلام اپنے آقا سے یہ کہے کہ میں آپ کے دس میں سے پانچ احکامات کو مانوں گا اور پانچ کو نہیں مانوں گا تو اسے آپ کیا کہیں گے۔ آپ اسے اطاعت کہیں گے یا بغاوت کا نام دیں گے۔ اس طرز عمل پر بنی اسرائیل کو سخت عذاب کی وعید سنائی گئی۔ فرمایا:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ﴾ (البقرہ:85)

”تم کتاب (اللہ) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کیے دیتے ہو۔ تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں۔“

توبہ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے عمل کی اصلاح پر کمربستہ ہو اور اللہ کے دین کی طرف واپس پلٹ آئے۔ سورۂ مریم کی آیت 60 میں فرمایا: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ”مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے۔“ عمل کی اصلاح اور اطاعت کا تقاضا یہی نہیں کہ آدمی خود دین پر عمل کرے، بلکہ یہ بھی ہے کہ اپنے گھر میں بھی شریعت کو نافذ کرے، اسلام کی روشنی کو اپنی سوسائٹی میں پھیلائے اور نظام شریعت کے قیام کے لیے جدوجہد کرے۔ اگر ہم اللہ کی نصرت وامداد کے طالب ہیں تو اس کے حصول کی یہی صورت ہے کہ اُس کے دین کی نصرت کی جائے، اُسے نافذ کیا جائے، اُس کے مطابق اپنی اجتماعی حیات کو ڈھالا جائے۔ اللہ کے دین سے روگردانی اور بغاوت ہو تو اُس کی مدد کیونکر آسکتی ہے۔ اللہ نے یہ بات بالکل واضح الفاظ میں ہمیں سمجھادی ہے۔ سورۂ محمد میں اہل ایمان سے فرمایا گیا:

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ﴾ (سورۂ محمد:7)

”اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔“

اس وقت ہمیں اللہ کی مدد کی شدید ضرورت ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ ہمارے درپے ہے۔ وہ ہمارے وجود کو مٹانا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ یہاں خانہ جنگی ہو۔ وہ اس ملک کی بڑی آبادی، خاص کر نوجوانوں کے جذبہ سے خائف ہے۔ لہٰذا وہ ہمیں آپس میں لڑا کر ختم کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ کی عالمی طاقت کے مقابلے میں اللہ کی مدد دین پر عمل پیرا ہونے سے آئے گی۔ اللہ نے بتادیا کہ میری مدد کا یہ راستہ یہ ہے کہ تم میری مدد کرو، یعنی میرے دین کو نافذ کرو۔ اس وقت اللہ کی زمین اللہ کے باغیوں کو قبضے میں ہے۔ وطن عزیز میں نوے فی صد سے زائد مسلمان آباد ہیں مگر یہاں غیر اللہ کی حاکمیت ہے۔ عدالتوں میں فیصلے اللہ کے قانون کے مطابق نہیں ہورہے ہیں۔ ہماری پارلیمنٹ اللہ کی شریعت اور قانون سے بے پروا ہوکر تحفظ حقوق نسواں جیسے سراسر غیر اسلامی قانون پاس کرتی ہے۔ یہ روش اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ بہرکیف ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے کمربستہ ہو جائیں، پھر وہ ضرور ہماری مدد کرے گا، اور ہمارے قدم جمادے گا۔ یہی کامیابی کا راستہ ہے۔ اسی سے ہم غیر ملکی تسلط، بھوک اور خوف کے عذابوں سے چھٹکارا پاسکیں گے۔ یہ سوال کہ توبہ کا عملی طریقہ کیا ہے، اس پر گفتگو آئندہ جمعہ ہوگی۔ ان شاء اللہ

(مرتب: محبوب الحق عاجز)

اگر اب بھی نہ سنبھلے تو!!!

سید خالد سجاد
ریٹائرڈ چیف انجینئر و پرنسپل واپڈا اسٹاف کالج، اسلام آباد

ہم عنقریب اسی سازش کی نذر ہونے والے ہیں جس کے لیے ہم بھی لاعلمی کی وجہ سے اسی قدر ذمہ دار ہیں جتنے ہمارے دشمن! تخلیقِ پاکستان ہندوستان کے لیے سینہ میں خنجر گھونپ دینے سے زیادہ تکلیف دہ حقیقت تھی۔ لیکن ہندو یقیناً ہم سے زیادہ چالاک نکلا! ہم جب لاکھوں مسلمانوں کے خون کی قربانی دینے کے بعد خوشیوں کے شادیانے بجا رہے تھے، ہمارا دشمن ہمیں ٹھکانے لگانے کے لیے ہم ہی لوگوں میں سے کچھ ایسے لوگوں کی تلاش میں تھا جو اُس کے عزائم کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ وہ جانتا تھا کہ مسلمان خاصی جذباتی، جلد باز اور مرنے مارنے پر تیار رہنے والی قوم ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ملک مفاد پرست طبقے کے شکنجے میں ہے۔ ہمارے سیاستدانوں اور بیوروکریسی کے شاطر، چالاک اور ذہین لوگوں کو غیر ممالک میں ٹریننگ پر بلا کر خطیر رقم مہیا کر دی جاتی ہے، تاکہ وہ پھر آسانی سے ہمارے دشمن کی زبان بول سکیں!

یہی حال سرمایہ دار طبقہ کا ہے۔ سرمایہ دار گھرانوں کے مرد حضرات جو مذہب سے صرف اسی قدر واقف ہوتے ہیں جتنا ایک دس سالہ بچہ! یہ لوگ بھی زر اور زن کے پھندے میں آ کر وہ کچھ کر گزرتے ہیں جو شاید ایک ہندو بھی نہ کر سکے۔ ہمارے دشمن انہیں زر اور زن کا لالچ دے کر اپنے دام میں پھانس لیتے ہیں۔ دشمن کے یہ ہتھیار اِن سے اِن کی خودی، انسانیت اور اسلام کے اصول چھین لیتے ہیں، اور وہ صرف ہوس کے پجاری بن کر رہ جاتے ہیں۔ عرصہ ہوا ملک پر یہی ہوس کے پجاری مسلط ہیں۔ انہوں نے ملک کو اس قدر کمزور کر دیا ہے کہ ملک ایک آزاد پنچھی (بقول علامہ اقبال ''عقاب'') کی بجائے ایک چھوٹی سی کمزور چڑیا بن کر رہ گیا۔

انسانی زندگی اور ارتقا کے لیے اہم ترین چیز پانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پاکستان کے مسلمانوں کو دریاؤں کی شکل میں وافر مقدار میں عطا کیا ہے، اگر یہی سب سے اہم نعمت ہم سے چھین لی جائے تو ملک آسانی سے قحط سالی کا شکار ہو سکتا ہے اور اس شکل میں جہاں کچھ لوگ امیر کہلائیں گے، وہاں پر اکثریت شدید غربت کا شکار ہو جائے گی۔ اور غربت ہی وہ ہتھیار ہے جس سے اس ملک کو قرضوں کی دلدل میں پھنسا کر اس کے عوام کی خودی، خودداری، عزت اور جان کو آسانی سے خریدا جا سکتا ہے۔

ہمارے اربابِ اختیار نے خاموشی سے اپنے ذاتی مفاد، ڈالروں اور مراعات کے عوض پاکستان کے دریاؤں کو ہندوستان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے تاکہ وہ جیسے چاہیں اُن کے پانی کو اپنے استعمال میں لائیں اور ہم اُن پر بند باندھ کر برسات تک کا فالتو پانی بھی اس میں جمع نہ کر سکیں اور اس طرح نہ صرف ربیع اور خریف کی فصلوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں بلکہ پن بجلی کی نعمت سے بھی محروم ہو جائیں اور ہمارے کارخانے بھی بند ہو جائیں۔ ہم لوگ زرمبادلہ کمانا تو کجا تن تک ڈھانپنے کے قابل بھی نہ رہیں۔ حکمرانوں کی اس روش کو کیا حب الوطنی کہا جائے یا ملک کی اقتصادی جڑوں پر تیشہ چلانے کے مترادف گردانا جائے۔

> ہماری حکومت نے اپنا خزانہ بھرنے کا آسان راستہ ڈیزل پر ٹیکس بڑھا کر ہر چیز مہنگی کرنے میں ڈھونڈ لیا ہے۔ اِس سے ہمارا ملک تباہ ہو جائے گا

منگلا اور تربیلا ڈیم بن جانے سے تقریباً بیس سے تیس سال کا عرصہ آرام سے گزرا اور ہم یہ سمجھ بیٹھے کہ ہماری مشکلات ختم ہو گئی ہیں۔ ہمیں یہ خیال نہ رہا کہ یہ ڈیم تو جلد ہی دریاؤں کی ریت سے بھر جائیں گے، تو پھر ہم کیا کریں گے؟ خیر ایسا بھی نہ تھا! ہمارے انجینئرز نے دریائے سندھ پر ایک اور بند باندھنے کی تجویز تربیلا ڈیم سے بھی پہلے دے دی تھی، تاکہ تربیلا ڈیم بننے کے فوری بعد اس پر کام شروع کروا کر آنے والی مصیبت کا مداوا کیا جا سکے۔ لیکن یہ ڈیم نہ بن سکا، اس لیے کہ ہمارے دشمن ہماری بیوروکریسی اور سیاستدانوں پر پیسہ خرچ کرتے رہے اور سیاستدان اُس پیسے کو مالِ مفت دلِ بے رحم سمجھ کر عیاشیاں کرتے رہے۔ ہمارے سیاستدانوں کو اپنی سیاست چمکانے اور عیش و عشرت کا اس سے بہتر موقع کیا مل سکتا تھا کہ پاکستان کو قرضوں کے جال میں پھنسا کر غریب سے غریب تر بنا دیا جائے، بلکہ تمام دنیا کا غلام بنا دیا جائے، تاکہ غریب لوگوں کی عزت اور آبرو سے کھیلنا اور بھی آسان ہو جائے۔ یہی وہ چال تھی جو ہمارے دشمن بھی چل رہے تھے، تاکہ غربت انتہا تک پہنچ جائے۔ اس لیے کہ جب ایسا ہوتا ہے تو آدمی بہت ہی سستے داموں بک سکتا ہے۔ کیونکہ اسے صرف اپنے بزرگوں اور بیوی بچوں کا پیٹ بھرنا ہوتا ہے اور اس کے لیے جو بھی پیسے مل جائیں، غنیمت ہوتے ہیں، چاہے اُسے اپنی جان دے کر اور بہت سے بے گناہ لوگوں کی جان لے کر ہی وہ پیسے کمانے پڑیں۔ تاکہ اُس کے گھر والے زندگی کے کچھ دن تو اچھی طرح بسر کر سکیں۔

اس وقت سب سے زیادہ محنت طلب کام پاکستان کو ہندوستان اور افغانستان کے درمیان صرف ایک گزرگاہ بنانا ہے، تاکہ دونوں اطراف سے لوگ پاکستان میں داخل ہو کر گُل کھلا سکیں جو اس سے پیشتر بآسانی ممکن نہ تھا۔ اس کی ابتدا امریکیوں کو کھلا داخلہ دے کر شروع کر دی گئی ہے۔ امریکی اونٹ خیمے میں گھس چکا ہے۔ اُس کی ایجنسیاں ملک کے طول و عرض میں دہشت گردانہ کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ امریکیوں کو اختیار حاصل ہے کہ پاکستانی سرحد کے اندر سے ڈرون حملہ کر کے جسے چاہیں مار دیں، اُن پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ کسی بھی پاکستانی شہری کو اُس کے مرنے کے بعد آسانی سے ''شدت پسند'' یا ''دہشت گرد'' کا نام دیا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ تو اپنے دفاع میں کچھ کہنے کے لیے زندہ ہی نہیں رہتا! ہماری حکومت تو یہ کہنے پر بھی آمادہ نہیں کہ ''۔۔۔اب کے تو مار''

پاکستان کو ہندوستان کا دست نگر بنانے کے لیے، پاکستان سے آبی ذخائر کا خاتمہ بھی ضروری ہے۔ اِس کام کو بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا جا رہا ہے اور

وہ بھی ہمارے ہی بیوروکریٹس، سیاستدانوں اور ناسمجھ عوام کے ہاتھوں۔ بھارت کے بنائے جانے والے ڈیموں کی وجہ سے دریاؤں کا پانی تو ہندوستان کے قبضے میں جا چکا ہے۔ ہم وہ آبی ذخائر بھی بنا نہ سکے جو کم از کم برسات کے دنوں کا ہی پانی جمع کر لیتے! زیرِ زمین پانی کی سطح بھی گرتی جا رہی ہے اور عنقریب سارا ملک بہاولپور کے ریگستان کی طرح بنجر ہو کر ہمارا منہ چڑا رہا ہوگا اور ہم اس وقت اگر اپنے آپ کو گالیاں بھی دیں تو کس کام کی!!

ہمارے دریاؤں پر ہندوستان کے ڈیم بنانے سے عنقریب وہ ہندوستان کی فصلوں کو لہلہا رہے اور پن بجلی کی شکل میں اس کی صنعت کو بھی فروغ دے رہے ہوں گے۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری صنعت بھی ہمارے ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے۔ ڈیزل کی قیمت بڑھا کر ہم اپنی معاشیات بھی تباہ کرتے چلے جا رہے ہیں، کیونکہ اِس سے تھرمل بجلی گھر بند ہو جائیں گے۔ اسی طرح ہماری ٹرانسپورٹ، ٹیوب ویل، ریلوے، صنعتیں غرضیکہ ہر وہ چیز بند ہو جائے گی، جس کا انحصار ڈیزل پر ہے، کیونکہ ہماری حکومت نے اپنا خزانہ بھرنے کا آسان راستہ ڈیزل پر ٹیکس بڑھا کر ہر چیز مہنگی کرنے میں ڈھونڈ لیا ہے۔ اِس سے ہمارا ملک تباہ ہو جائے گا۔ رہ گئے ہمارے لیڈر اور برسرِاقتدار طبقہ تو وہ پاکستان سے نقل مکانی کر کے امریکہ و یورپ کا رُخ کر لے گا کیونکہ وہاں شراب، جوے اور بدکاری پر پابندی نہیں!۔ ہمارے حکمران طبقہ کو اس کے علاوہ اور چاہیے بھی کیا؟ اور وہ پیسہ جو غریبوں کا لہو چوس کر حاصل کیا تھا، اس کے علاوہ کہاں کام آ سکتا ہے!!

اللہ تعالیٰ کا عذاب جو اس وقت ''ذلت'' کی شکل میں ہم پر نازل ہے، وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہونا چاہیے! لیکن اگر ہم ذلت کو ذلت سمجھنے کے قابل نہ رہیں تو ہمارا حشر بنی اسرائیل سے مختلف نہیں ہو سکتا۔ جن کو اگرچہ خداوند کریم نے اپنے فضل سے نوازا لیکن اپنے کرتوتوں کی بنا پر پھر اُن پر ذلت و مسکنت دے ماری گئی۔ اس وقت بھی ذلت کا عذاب ہم پر مسلط ہے۔ کیا فی الواقع ہم اس سے نکلنا چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو اس کے لیے ہمیں اپنے رویوں اور اعمال میں بھرپور تبدیلی لانی ہوگی۔ کاش کہ ہم سمجھ سکتے۔

☆☆☆

ہمارے نانا ابا

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی وفات پر اُن کی نواسی

انیسہ ذیشان کی خصوصی تحریر

14 اپریل کو صبح پونے چار بجے مجھے خبر ملی کہ نانا ابا اللہ کے ہاں چلے گئے۔ بے شک ہم سب کو وہیں جانا ہے۔ ہری پور سے لاہور تک کا سفر متضاد سوچوں میں گزرا۔ آنکھوں سے مسلسل بہتے آنسوؤں کی وجہ سے باہر کا منظر تو نظر نہیں آیا البتہ دل و دماغ مسلسل مصروف تھے۔ ایک طرف تو شدید صدمہ اور ایک عظیم نقصان کا احساس، جس کو بار بار اس یاددہانی کے ذریعے کم کرنے کی کوشش کی کہ اللہ کی رضا کے آگے کوئی نفع و نقصان اہمیت نہیں رکھتا۔ دوسری طرف ایک حیران کن اطمینان اور خوشی کا احساس کہ بالآخر مسافر اپنی منزل کو پہنچ گیا۔

میں سوچتی رہی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص اور وفادار بندے کا استقبال کیسے کیا ہوگا؟ ہاں محترم و نورانی فرشتے تو آئے ہی تھے ان کو لینے۔ پھر آگے کن عظیم ارواح نے اس نیک روح کو خوش آمدید کہا ہوگا۔ کیسا ہوگا وہ منظر؟ اللہ نے نزل بھی عطا کیا ہوگا۔ وہ ابتدائی مہمان نوازی کیسی مسحور کن ہوگی؟

یہاں ہر آنکھ اشکبار، ہر زبان دعاگو اور ہر قلب راضی، بہ رضائے رب تھا۔ تعزیت، غسل، نماز جنازہ اور تدفین، یہ سب شرعی حقوق ہیں جو میت کے ہم پر ہیں۔ اور اس خوبصورت میت کے یہ تمام حقوق اللہ تعالیٰ نے کتنی خوبصورتی سے ادا کروائے۔ لاکھوں افراد کی گواہی تو ابھی مل گئی۔ شہادت علی الناس کا ایک منظر تو اللہ نے ابھی دکھا دیا، الحمد للہ۔ اور تا حال تعزیت کرنے والوں کا سلسلہ جاری ہے۔ افسوس کا اظہار اور دُعا کے کلمات تو ہر شخص اپنی زبان سے ادا کرتا ہے۔ اللہ انہیں قبول فرمائے، آمین۔ لیکن وہ جذبات جو دلوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں، ناقابل بیان اور انمول ہوتے ہیں اور وہ صرف ہمارا رب ہی جانتا ہے۔ پھر ابھی تو یہ ہی سمجھ نہیں آ رہا کہ کون کسے تسلی دے۔ نانا ابا ہر اس فرد کے بہت قریب تھے جو ان کے مشن سے عملی تعلق اور دلی نسبت رکھتا تھا۔ اور وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے میرے نانا ابا کے ذریعے ہدایت دی اور ان کی زندگیوں کے رُخ بدلے، وہ لوگ سب سے زیادہ تعزیتی کلمات کے مستحق ہیں۔ میں دل سے دُعا گو ہوں کہ اللہ ان سب لوگوں کی مساعی کو قبول کرے اور انہیں اور ہمیں نانا ابا کے لیے صدقہ جاریہ بنائے (آمین) اور میں ان لوگوں پر رشک کرتی ہوں کہ انہیں میرے نانا ابا سے خاص معنوی تعلق حاصل ہے۔ کیونکہ ہم نے اپنی زندگیوں کا رُخ بدلنے کے لیے سعی و جہد نہیں کی۔ وہ ہمیں پہلے سے ہی متعین ملا۔ اس پر بھی اللہ کا بے حد شکر ہے۔ کیونکہ نانا ابا کہتے تھے کہ ہم سب کو شکر کرنا چاہیے کہ اللہ نے مسلمان گھرانے میں پیدا کیا، تو میں شکر گزار ہوں کہ میں پیدائشی مسلمان تو ہوں ہی، پیدائشی تنظیمی بھی ہوں۔ اور بات محض تنظیم کی نہیں ہے، بات ہے دین کے عملی تقاضوں کی۔ قرآن کو پڑھنا اور سمجھنا، دوسروں تک پہنچانے کے لیے کلاسز کا اہتمام، شرعی پردے کی پابندی، معاملاتِ زندگی میں شریعت کے قوانین کی پابندی، سود سے بچاؤ...... ہمیں یعنی ان کے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو تو کوئی جدوجہد کرنی ہی نہیں پڑی۔ ماحول بے حد سازگار ملا۔

اور بلاشبہ ہم پر یہ احسان اللہ کی ذات کے بعد ہمارے نانا ابا اور نانی اماں کا ہے۔ اللہ ہمیں اس احسان کے بدلے میں احسان کی روش پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

میں نانا ابا کے دینی سفر کے آغاز کے بارے میں کچھ نہیں لکھوں گی کیونکہ آغاز ہمارے سامنے ہوا ہی نہیں۔ البتہ زندگی کا ایک بڑا حصہ ہمارے سامنے بسر ہوا۔ وہ زندگی جس میں انہوں نے تمام قریبی تعلق اور محبتوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے لیے کہیں بہت پیچھے اور نیچے چھوڑ دیا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ انہیں بیوی بچوں اور اولاد کی اولاد سے محبت نہیں تھی، یقیناً تھی۔ وہ بے حد حساس تھے اور حساس لوگ محبتوں کے معاملے میں بھی شدید ہوتے ہیں۔ مگر اللہ کا بے پناہ انعام میرے نانا ابا پر

ہوا کہ اس نے ان کی تمام تر صلاحیتوں، محبتوں، آرزوؤں اور احساسات کا رُخ اپنی طرف موڑ لیا۔

یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

ایک دھن، ایک لگن اور ایک جنون، ہوش منداور بصیرت افروز جنون، وہ جنون اور لگن جو اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کی روشنی میں عطا ہوا۔ اس سے زیادہ بڑی اور کیا بات ہوگی؟

بہن بھائیوں کی یادداشت میں بھی محفوظ ہیں۔ مگر میں صرف یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ وہ کیسے نانا تھے اور کن باتوں پر خوش ہوتے تھے۔ ہم نے کبھی ان سے لمبی ملاقات نہیں کی۔ ان کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا تھا اور ہمیں اس کا قلق بھی نہیں ہے، کیونکہ وہ وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دیا تھا۔ اور ہمیں وقت نہ دینے کے باوجود انہوں نے جو کچھ ہمیں دیا ہے وہ اتنا

> نانا ابا کہتے تھے کہ ہم سب کو شکر کرنا چاہیے کہ اللہ نے مسلمان گھرانے میں پیدا کیا، تو میں شکر گزار ہوں کہ میں پیدائشی مسلمان تو ہوں ہی، پیدائشی تنظیمی بھی ہوں۔ اور بات محض تنظیم کی نہیں ہے، بات ہے دین کے عملی تقاضوں کی۔ ہمیں کوئی جدوجہد کرنی ہی نہیں پڑی۔ ماحول بے حد سازگار ملا

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾
(العنکبوت:69)

''اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھادیں گے۔''

یہ بات ہمارے ذہنوں میں بچپن سے طے تھی کہ ہمارے نانا ابا باقی سب کے ناناؤں سے مختلف ہیں۔ ایسی بہت سی چیزیں اور باتیں جو نانا کے رشتے سے مسلک ہوتی ہیں، ہم نے اُن کے ساتھ نہیں کیں۔ انہیں دنیوی کامیابیوں پر ہم نے کبھی بہت خوش نہیں دیکھا۔ ہاں، نانی اماں کے یاد دلانے پر شاباش مل جاتی تھی۔ ہاں مگر جب جب ان کی اولاد میں سے کسی نے دینی حوالے سے کوئی کامیابی حاصل کی، تب ان کا سیروں خون بڑھا۔ میں وہ دن کبھی نہیں بھولوں گی جب میں نے رجوع الی القرآن کورس میں کامیابی حاصل کی۔ قرآن آڈیٹوریم میں رزلٹ کا اعلان ہوا اور نانا ابا کی خوشی اور جوش کا عالم میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے بے حد خوشی ہے کہ معاملہ میری تیسری نسل تک منتقل ہو رہا ہے اور بچے قرآن کو سمجھنے میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ گھر پہنچ کر مجھے بلایا اور پوچھا کہ میں ان سے انعام میں کیا لوں گی؟

ایک اور چھوٹا سا واقعہ میرے حافظے میں محفوظ ہے۔ جب وہ فجر کی نماز پڑھ کر گھر واپس آئے (میں اس وقت دس گیارہ سال کی تھی) اور مجھے نماز پڑھتے دیکھا تو اتنے خوش ہوئے کہ نماز ہی میں میری پیشانی چوم لی۔ اس وقت مجھے بے حد شرمندگی بھی ہوئی کہ اگر نانا ابا کو یہ پتہ چل جائے کہ امی نے مجھے کتنی مشکل سے جگایا تو کیا کہیں گے؟

یہ بظاہر بہت چھوٹا سا واقعہ ہے اور ایسے چھوٹے چھوٹے کئی واقعات میرے دیگر ماموں زاد اور خالہ زاد

انمول اور بیش بہا ہے کہ اس سے آگے ہر چیز ہیچ ہے۔ اللہ ہمیں اس کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سے اپنے دین کی خدمت کا کام لے لے۔ (آمین)

نانا ابا صرف ناشتے، دوپہر اور رات کے کھانے کے لیے گھر کے اندرونی حصے میں آتے تھے۔ (وہ بھی تب جب وہ شہر میں ہوں ورنہ زیادہ تر وہ دعوتی سرگرمیوں میں شہر سے باہر ہوتے تھے) اور اسی مختصر سے وقت میں ہم ان کو سلام کر کے اُن کی دُعا لے لیتے تھے۔ ہمارے سلام کا جواب مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ دیتے۔ اپنے آگے رکھی سلاد کی پلیٹ سے مختلف چیزیں بچوں کو تھما دیتے تھے اور پھر بس ''چلو بچو! نانا ابا کو کھانا کھانے دو۔'' ہماری ماؤں نے بھی یہی کیا اور بڑے ہو کر خود ہمیں بھی یہی احساس رہا کہ نانا ابا کے لیے بطور خاص سکون سے کھانا اور قیلولہ یا رات کا آرام بہت ضروری ہے، کیونکہ اس کے علاوہ تو اُن کا ایک ایک منٹ قرآن کے لیے وقف ہے۔

اور یقیناً اِس کا کریڈٹ نانی اماں کو جاتا ہے۔ وہ اللہ کے دین کی خدمت میں ہمہ تن، ہمہ جہت مصروف شخص کی ہمہ وقت خدمت اور بچوں کی تربیت میں مصروف رہیں۔ اور انہوں نے بچوں کے دل میں کبھی یہ احساس پیدا نہیں ہونے دیا کہ ان کے والد فکرِ معاش سے آزاد ہو کر فکرِ آخرت میں مگن ہیں تو کوئی معاشی نقصان ہے، بلکہ قناعت، اللہ کی شکر گزاری اور قرآن سے محبت پیدا کی۔ جب ہم نے ہوش سنبھالا تو کبھی یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ نانی اماں کن مرحلوں سے گزری ہیں۔ انسان کچھ حاصل کرنے کے لیے کئی مشکل مرحلوں سے گزرتا ہے۔ اور اللہ نے نانی اماں کو یقیناً بہت خصوصی فضل اور توفیق سے نوازا ہے۔ ہم نے ان کو ہمیشہ

خوش، مطمئن اور اولاد اور اب اگلی نسل کی تربیت میں کوشاں دیکھا ہے۔ اللہ ہماری نانی اماں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، انہیں صحت دے اور ان کی ساری مساعی کو قبول فرمائے۔ (آمین)

اگر نانا ابا کے پیچھے نانی اماں جیسی خاتون نہ ہوتیں تو شاید وہ اتنی تندہی سے دین کی خدمت نہ کر پاتے۔ اگر کر پاتے بھی تو شاید اولاد کے دل میں دین، قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے مشن سے جس کو نانا ابا نے اختیار کیا، وہ محبت پیدا نہ ہو پاتی۔ یقیناً اللہ کا بہت بڑا فضل ہے، نانا ابا، نانی اماں اور ان کی آل اولاد پر۔

دنیا بھر سے نانا ابا سے تعلق رکھنے والے لوگ ان کے لیے دُعاگو ہیں۔ بے شک ان کو دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے۔ کیونکہ انسان خطا کا پُتلا ہے اور اپنی بخشش کے لیے اللہ کی رحمت کا محتاج ہے۔ جب اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی ذات کو رحمتِ الٰہی سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا تو ہم کیسے محض اپنی سعی اور جہد پر اکتفا کریں۔ لہٰذا ان کے لیے دعاؤں میں کمی نہ آنے دیں۔ اور اگر نانا ابا کے مزاج اور ان کی ذات کے حوالے سے کسی کے دل میں ذرا سا بھی شکوہ، رنجش یا ملال ہے تو میں ان سطور کے ذریعے گزارش کروں گی کہ خدارا، اسے دھو ڈالیے اور ان کے لیے درجات کی بلندی اور مغفرت کی دُعا کریں۔ الٰہی! نانا ابا کی خطاؤں کو اس طرح دھو دیجئے جیسے سفید کپڑا میل سے پاک ہو جاتا ہے۔ ان کو اپنے پاس انبیاءؑ، شہداء اور صالحین کے گروہ میں شامل کیجئے اور ہمیں ان کے مشن میں جو دراصل نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے اخذ کردہ مشن ہے، بھرپور حصہ ڈالنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ قیامت کے روز جب آپ ہم سب کو اکٹھا کریں تو نانا ابا کا چہرہ اپنی صلبی و معنوی اولاد کو دیکھ اور سب سے بڑھ کر نبی اکرم ﷺ کا چہرہ اپنی امت کے ادنیٰ کارکنوں کو دیکھ کر چمک اُٹھے۔ الٰہی ہمیں وہاں رسوا نہ کرنا۔ آمین

☆☆☆

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی کے ناظم نشر و اشاعت جناب ایوب بیگ مرزا کے تایازاد بھائی اور بہنوئی مرزا معظم بیگ انتقال کر گئے۔
- تنظیم اسلامی وہاڑی کے سابقہ امیر جناب راؤ محمد جمیل کے سسر وفات پا گئے۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ قارئین اور رفقاء سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

”دنیا تک قرآنی پیغام پہنچانے میں ڈاکٹر صاحب کی مساعی اپنی مثال آپ ہیں“

مولانا الطاف الرحمٰن بنوی
شیخ الحدیث مدرسہ امداد العلوم، مسجد درویش، پشاور صدر

یہ 1970ء کے اواخر یا 1971ء کے اوائل کی بات ہے جبکہ میں نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورۂ حدیث شریف میں شرکت کے لیے داخلہ لیا۔ داخلے ہی کے دنوں میں اسی مدرسے کے فارغ التحصیل لکی مروت کے ایک فاضل قاری مشعل الدین صاحب سے تعارف اور تعلق بنا۔ موصوف سمن آباد کی ایک چھوٹی سی مسجد کے امام تھے۔ دورانِ سال آنا جانا رہا۔ ایک دن سمن آباد کی مسجد خضریٰ کے پاس سے گزر ہوا۔ قاری صاحب نے بتلایا کہ یہاں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب درسِ قرآن دیا کرتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب اور اُن کے درسِ قرآن کے بارے میں سب سے پہلی معلومات تھیں جو میرے کانوں میں پڑیں۔ مجھے یاد نہیں کہ جامع مسجد خضریٰ میں میں نے کبھی ڈاکٹر صاحب کے درس میں شرکت کی ہو، البتہ جب ڈاکٹر صاحب مسجد شہداء لاہور میں درس دینے لگے تو کئی بار اُن کے دروس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔ میں اُن کے دروس سے بے حد متاثر ہوا اور اسی حوالے سے اُن سے اوّلین عقیدت اور محبت پیدا ہوئی۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ ڈاکٹر صاحب پہلے جماعت اسلامی میں شامل تھے اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے شاگرد تھے اور اب وہ اُنہیں کے اسلوبِ درس کے امین وعلمبردار ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اسی پس منظر کی وجہ سے میں نے اصلاحی صاحب کی تفسیر تدبر القرآن کی پہلی جلد خرید لی تھی اور عام طور پر اُس کو زیر مطالعہ رکھا کرتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا اصلاحی صاحب کے قرآنی اُستاد مولانا حمید الدین فراہی صاحب تھے جو اس خاص اصولِ تفسیر کے اصل بانی اور مُوجد تھے۔ چنانچہ مجھے اُن کی تفسیری خدمات اور کاوشوں پر مشتمل کسی کتاب یا رسالے کی تلاش تھی۔ پھر کسی ذریعے سے معلوم ہوا کہ ”القول الصحیح فی من ھو الذبیح“ کے نام سے مولانا حمید الدین صاحب کا ایک رسالہ انجمن خدام القرآن کے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اہتمام سے چھپ گیا ہے۔ چنانچہ میں اپنے دوست قاری مشعل الدین صاحب کے ہمراہ موجودہ قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں آیا۔ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی اور انہیں اپنی آمد کا مدعا بیان کیا۔ غالباً ابھی تک اکیڈمی کے تہ خانے ہی بنے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اسی سے مطلوبہ رسالے کا ایک نسخہ نکال لائے اور مجھے عنایت فرمایا۔ بعد میں جب میں کئی سالوں کے بعد اسی اکیڈمی میں بحیثیت معلم رہنے لگا تو یہیں کے ایک ساتھی مفتی مقبول الرحیم صاحب نے ”تفسیر فراہی“ کے نام سے مطبوعہ ایک کتاب ہدیتاً دے دی لیکن انتہائی اختصار کی وجہ سے یہ کتاب میرے لیے کچھ زیادہ مفید ثابت نہ ہوئی۔ سال وماہ کے تعین کے ساتھ تو میں اپنی بات کو آگے نہیں بڑھا سکوں گا کہ ایسے تعیّنات کو یاد رکھنے کی میری کبھی عادت نہیں رہی ہے۔ ایک موقع پر کسی خط وکتابت کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے یہی شکایت کی تھی کہ ایک تو آپ کو خط پر تاریخ لکھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ بہر حال اجمالی طور پر بتلاتا ہوں کہ بیسویں صدی کے عشرۂ ثامنہ (اسّی کی دہائی) کے نصف اوّل میں جبکہ میں لکی مروت کے دار العلوم الاسلامیہ میں استاد تھا، قاری مشعل الدین کی وساطت سے برادرِ مکرم عبدالرزاق صاحب کا پیغام موصول ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کو اپنی اکیڈمی میں جاری کردہ رفاقت سکیم کے لیے استاد کی ضرورت ہے۔ آپ کسی وقت لاہور آجائیں تاکہ اس سلسلے میں کچھ بات ہو سکے۔ برادر عبدالرزاق صاحب سمن آباد کے اسی محلے میں رہائش پذیر تھے، جہاں قاری مشعل الدین صاحب کی چھوٹی سی مسجد تھی۔ جیسے کہ پہلے ذکر آگیا ہے، میرا وہاں آنا جانا تھا اور اسی مسجد سے وابستہ اکثر نوجوانوں سے تعارف حاصل تھا، جن میں ایک عبدالرزاق صاحب بھی تھے۔ لیکن باقی نوجوانوں کی بہ نسبت وہ مجھے زیادہ سنجیدہ، دیندار اور معقول آدمی نظر آتے تھے۔ عبدالرزاق صاحب بھی انہی دنوں میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے قرآنی مشن سے تازہ بہ تازہ متعارف اور وابستہ ہو گئے تھے۔ اُن کا پیغام میرے لیے کئی حوالوں سے باعث دلچسپی تھا۔ چنانچہ لاہور آنے اور عبدالرزاق صاحب کی معیت میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ ڈاکٹر صاحب نے مختصراً رفاقت سکیم کا پس منظر اور غرض وغایت بیان کی اور یہ بھی بتلایا کہ تھوڑے عرصے میں کئی اساتذہ تبدیل ہوئے جس کی وجہ سے ہمیں بہت فکرمندی ہے۔ ظاہر ہے تھوڑے عرصے میں کئی اساتذہ کی تبدیلی اور ڈاکٹر صاحب کی فکرمندی میرے لیے بھی کوئی خوشگوار بات نہ تھی۔ میں نے اپنے اندر ایک اضطرابی کیفیت محسوس کی اور ذہنی پس وپیش کے عارضے میں مبتلا ہوا۔ تاہم میں نے تجویز پیش کی کہ رجب کے مہینے میں ہمارا تعلیمی سال ختم ہوتا ہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر میں یکم شعبان سے رفاقت سکیم کے تحت طلبہ کو بلا معاوضہ پڑھانا شروع کر دوں گا اور انتیس شعبان پر ختم کرلوں گا۔ اس عرصے میں میں طلبہ کو اور طلبہ مجھے جانچنے کی کوشش کریں گے۔ اگر جانبین کو باہمی توافق اور اطمینان حاصل ہوسکا تو آئندہ سال دس پندرہ شوال سے میں بحیثیت معلم اپنے فرائض سنبھال لوں گا، نہیں تو آنے کی زحمت نہیں کروں گا۔ اس تجویز پر ڈاکٹر صاحب بہت خوش ہوئے اور فوراً ہی منظور کر لیا۔ حسبِ تجویز میں نے مقررہ وقت پر آکر پڑھانا شروع کیا اور اٹھائیس یا انتیس شعبان پر یہ سلسلہ ختم کیا۔ دونوں فریقین نے اس تجربے کو مفید پایا، چنانچہ اگلے سال شوال سے میں نے مستقلاً پڑھانا شروع کر دیا جو دو سال تک جاری رہا۔ اس کلاس میں صرف چھ طلبہ تھے جن میں دو خود ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے عارف رشید اور عاکف سعید صاحبان بھی تھے۔

احادیث کی کتابوں میں صحاح ستہ کا جو مقام ہے وہ کسی بھی علمی شغف رکھنے والے پر مخفی نہیں۔ انہیں کتابوں میں بخاری شریف اور ترمذی شریف بھی ہیں۔

امام ترمذی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ ایک موقع پر امام بخاریؒ نے امام ترمذیؒ سے فرمایا: ''مَا اسْتَفَدتُّ مِنْكَ اَكْثَرَ مِمَّا اسْتَفَدتَّ مِنِّی'' یعنی ''میں نے آپ سے جتنا استفادہ کیا وہ اس سے بڑھ کر ہے جو آپ نے مجھ سے کیا''۔ یہ تو شاید امام بخاریؒ کا تواضع وانکسار ہو یا شاگرد کی حوصلہ افزائی کی خاطر فرمایا ہو لیکن میں خود حقیقتاً دوسالہ رفاقت سکیم کے اختتام پر متردد تھا کہ اس کلاس کے رفقاء کو مجھ سے زیادہ فائدہ پہنچا یا میں نے اُن سے زیادہ فائدہ حاصل کیا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ سب ساتھی اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی تھے اور ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآنی میں باقاعدہ شرکت کرنے والے بھی تھے۔ ان میں بھی بعض دوسروں سے زیادہ ذی استعداد اور مستعد تھے اور ڈاکٹر صاحب کے علمی شان اور فکر قرآنی کے نسبتاً زیادہ علمبردار اور حاملین تھے۔ مختلف موضوعات پر بحث مباحثے اور قیل وقال کے ضمن میں انہی کی وساطت سے ڈاکٹر صاحب کے اکثر افکار سے مجھے بھی حصہ ملتا رہا جس میں بہت کچھ میرے لیے بہت نیا اور خاصا دلچسپ بھی ہوتا تھا۔ الغرض اس دوسالہ تدریسی دور میں مجھے بہت علمی، فکری اور عملی فوائد حاصل ہوئے۔ جس کے لیے میں ڈاکٹر صاحب، رفاقت سکیم کے رفقاء اور اکیڈمی میں مختلف حوالوں سے رہنے والے اور دیگر متعلقہ ساتھیوں کا زندگی بھر شکریہ ادا کرتا رہوں گا کہ ان سب کا اکیڈمی کے اندر میری یکسوئی اور خوشی خوشی سے گزر بسر میں بہت دخل ہوتا تھا۔

میں مجموعی طور پر تین سال اکیڈمی میں ڈاکٹر صاحب کے بہت قریب رہا۔ عام طور پر ان کی خواہش ہوتی تھی کہ میں ان کے دروسِ قرآنی یا ایسے ہی دیگر پروگراموں میں شریک رہوں۔ اس کی واحد وجہ جو میری سمجھ میں آسکی تھی وہ یہ تھی کہ جیسے کہ ہر کسی کو معلوم ہے کہ مولوی لوگ اپنی دانست اور سمجھ کے مطابق ایسے موقعوں پر معمولی سے عدم توازن پر بھی کسی کو معاف کرنے کے قائل نہیں ہوتے۔ چنانچہ کئی بار ایسا ہوا کہ ان کے درس یا تقریر کے بعد میں اپنی کلاس کے اندر یا باہر اپنے تحفظات کا اظہار کر لیتا جو فوری طور پر ڈاکٹر صاحب کے علم میں آجاتے اور پھر اس پر مزید گفتگو کے لیے وہ لازماً کوئی نہ کوئی موقع فراہم کر لیتے جس میں عام طور پر توافق کی کوئی نہ کوئی شکل نکل آتی، ورنہ اختلافِ رائے کے ساتھ مجلس برخاست ہوجاتی۔ ہر چند کہ مجموعی طور پر ڈاکٹر صاحب ایک متوازن طبیعت اور شخصیت کے مالک تھے لیکن خاص خاص موقعوں پر ان کی سیرت میں مستور جلالیت اور متکلمانہ شہ زوری کا اچھا خاصا ظہور بھی ہو جایا کرتا تھا لیکن اس کے باوجود اس طفل مکتب کی صحیح یا غلط تنقیدات کا بڑی حوصلہ مندی اور کشادہ روئی سے سامنا فرماتے تھے اور اپنے قولی یا عملی رویے سے میری ذرہ بھر دل شکنی نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک دفعہ لاہور کے ایک بہت بڑے عوامی ہال میں محاضرات کے ایک بھرے مجمع میں میں نے بہت بے رحمانہ تنقیدات پر مشتمل ایک طویل تحریری مقالہ پڑھا، جس کو ڈاکٹر صاحب کے فکری مخالفین میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ بعد میں مجھے بھی شدید احساس تھا کہ میں نے محض لفظی اور فنی تسامحات پر ڈاکٹر صاحب کی بے وجہ دل آزاری کی اور پھر قدرتی طور پر اس کے ردعمل کا منتظر رہا۔ لیکن اس بندۂ خدا نے اپنے جذبات واحساسات کے علی الرغم مجھے اشارتاً اور کنایتاً بھی اپنی ناراضی پر مطلع نہیں ہونے دیا۔ اس قسم کے کئی اور واقعات بھی ہیں جن کی روشنی میں میں اپنے آپ کو یہ شہادت دینے کے لیے بالکل مستعد اور آمادہ پاتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب خالص انسانی نقطۂ نظر سے ایک بہت معتمد اور معتبر نمونہ تھے جس کی جدائی نے ہمیں ایک خوبصورت اخلاقی حوالہ سے محروم کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب ایک سیلف میڈ قسم کے آدمی تھے۔ ان کا خاندانی پس منظر دینی ضرور تھا لیکن کچھ زیادہ علمی نہیں تھا۔ عنفوانِ شباب میں تحریک پاکستان کا زمانہ پایا۔ بہت سے دوسرے سعادت مند نوجوانوں کی طرح انہوں نے بھی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پلیٹ فارم سے اس میں بھرپور حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد اسلامی جمعیت طلبہ کے سرگرم رکن بلکہ سالارِ قافلہ بن گئے۔ جماعت اسلامی میں بھی کچھ وقت گزرا۔ لیکن انقلابی طبیعت کے مالک نوجوان نے بہت جلد ہی انتخابی سیاست کی فسوں کاری کو بھانپ لیا اور ﴿مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰهِ﴾ کا نعرہ لگا کر تن تنہا ایک اور قسم کے کاروان کا سروسامان کرنے لگا۔ رجوع الی القرآن کی تحریک کے لیے انجمن خدام القرآن اور احیائے خلافت کے لیے تنظیم اسلامی کے نام سے جدوجہد شروع کی۔ ملکی وسائل کے لوٹ مار تک رسائی کے لیے انتخابی سیاست کی گھما گھمیوں میں منہمک لوگوں کے لیے ڈاکٹر صاحب کی پکار بہت دھیمی اور پھیکی محسوس ہو رہی تھی لیکن ان کے اخلاص، ہمہ وقتی توجہ اور جوش عمل نے جلد ہی معاشرے میں قابل لحاظ نفوذ حاصل کر لیا اور تحریک رجوع الی القرآن کے حوالے سے پورے پاکستان میں دروس قرآنی اور مطالعہ قرآن کے حلقے قائم ہونے لگے، جن سے واقعتاً ملت پاکستانیہ کے ایک معتدبہ حصے میں قرآن کریم سے غفلت اور اس سلسلے میں اپنی کوتاہی کا احساس اُجاگر ہوا اور اس احساس نے عام طور پر کئی اور مفید شکلیں بھی اختیار کر لیں۔

قرآن حکیم کے بارے میں نبی علیہ السلام کی ایک حدیث کا یہ ٹکڑا کہ ''لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُهٗ'' کس قدر برمحل اور صادق ہے، اس کی ایک لمبی تاریخ ہے۔ ہر زمانے کے عاشقانِ قرآن نے اس بحر ذخار سے نئے نئے موتی نکالے ہیں۔ ضلع میانوالی کے ایک قصبے واں بھچراں کے ایک عالم نے قرآنی آیات وسور میں ایک بہت خوبصورت اور معنی خیز ربط وترتیب تلاش کر کے ''بلغة الحیران'' کے نام سے مرتب کیا۔ چونکہ اس نوعیت کی یہ ابتدائی کوشش تھی، لہٰذا اس میں خاصا ابہام تھا۔ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں بالخصوص مولانا غلام اللہ خان صاحب نے اس ربط وترتیب کو تفسیر جواہر القرآن کی صورت میں بہت واضح اور مفصل انداز میں پیش کیا، جو عام طلبہ کے لیے بھی بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ٹھیک اسی طرح سے مولانا حمید الدین فراہی صاحب کے انداز تفسیر کو مولانا امین احسن اصلاحی نے تفسیر تدبر قرآن میں نسبتاً زیادہ پھیلا کر دکھایا۔ اسی چیز کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے عوامی حلقوں میں بہت بڑے پیمانے پر مزید پھیلایا اور اعجاز قرآنی کے ایک اور نمونے کے طور پر پیش کیا، جس سے بہت سے لوگوں کے لیے قرآن پر غور وفکر کی اور کئی راہیں کھل گئیں۔ قرآن اکیڈمی کے دورِ سکونت میں کئی بار ایسا ہوا کہ ڈاکٹر صاحب مجھے کسی قرآنی موضوع پر تبادلہ خیال کے لیے یاد فرما لیتے اور پھر بڑی دلچسپی سے اپنا نقطۂ نظر پیش فرماتے اور مجھے بھی اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کا موقع دیتے۔ قرآنی مفاہیم کی بابت اسی جستجو نے انہیں قرآن فہمی کا ایک بلند اور قابل رشک مقام عطا کیا تھا۔ اس بارے میں وہ کسی چھوٹے بڑے کی تمیز روا نہیں رکھتے تھے بلکہ ہر کسی سے جتنا بھی ممکن ہوتا قرآنی معلومات حاصل کرنے کی کوشش فرماتے۔

جیسے کہ سب کو معلوم ہے کہ وہ ڈاکٹری کے پیشے کے آدمی تھے لیکن انہوں نے ایک بہت شعوری فیصلے کے ذریعے اس پیشے کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا اور اس کی جگہ قرآن پاک سے مکمل وابستگی اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ

نے ان کے جذبے اور محنتوں کو اس حد تک بارآور بنایا کہ نہ صرف لاہور میں قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج کی تاسیس فرمائی جو علوم قرآن کی نشر و اشاعت کے وقیع ادارے بن گئے بلکہ پاکستان کے اکثر بڑے بڑے شہروں میں اسی کے اتباع میں اسی طرز پر قرآنی مراکز وجود میں آئے جہاں انہیں کے شاگردوں اور مستفیدین نے قرآنی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا۔

ایک موقع پر مجھے یہ خیال آتا رہتا تھا کہ ہر چند کہ ڈاکٹر صاحب اپنے طور پر بہت بڑا کام کر رہے ہیں لیکن اس کے بعد اس کام کو چلانے کے لیے کوئی موجود نہیں ہوگا لیکن الحمدللہ ان کی وفات تک ان کے قرآنی افکار اور ان پر مبنی سرگرمیاں اس حد تک پھیل چکی ہیں کہ اب ان کے دوبارہ ماند پڑ جانے کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا ہے۔ ان شاء اللہ یہ سارا سلسلہ بہت طویل زمانے تک ڈاکٹر صاحب کے حسنات میں شمار ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن اور قرآنی افکار پر مشتمل ان کی کتابیں اور تقاریر پوری دنیا میں متعارف ہیں جو بجا طور پر ''تیری آواز مکے مدینے'' کا مصداق ہے۔ میں یہ کہنے میں کوئی مبالغہ محسوس نہیں کرتا کہ دنیا تک قرآنی آواز پہنچانے میں ڈاکٹر صاحب کی مساعی اپنی مثال آپ ہیں۔ میں نے کئی بار ڈاکٹر صاحب سے سنا کہ اہل باطل، باطل پھیلانے کے لیے آج کے ترقی یافتہ ذرائع ابلاغ استعمال کر رہے ہیں، ہمیں چاہیے کہ حق کے لیے ان ذرائع کو بھرپور طریقے سے استعمال کریں۔ ہمارے دینی اور علمی حلقوں میں ابھی تک اس بارے میں خاصا جمود تھا اور اس طریق کار کو ہرگز پسند نہیں کیا جاتا تھا لیکن اب عام طور پر ڈاکٹر صاحب کے موقف اور دلیل کو تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں نئی نئی تجویزیں آنے لگی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے رمضان کے دوران تراویح میں قرآن حکیم کے ترجمے اور مختصر تفسیر بیان کرنے کے طریقے کا آغاز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی ایسی مقبولیت سے نوازا کہ اب کم و بیش پاکستان کے ہر شہر میں اس کی گونج سنائی دیتی ہے اور لوگ رمضان کی راتوں میں قرآن کے ساتھ شب گزاری میں عام طور پر دلچسپی لینے لگے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب اپنی مجالس اور تقریروں میں عام طور پر حضرت شیخ الہند ؒ کے بارے میں سنایا کرتے تھے کہ جب وہ انگریز کی قید سے رہا ہو کر ہندوستان تشریف لے آئے تو فرمایا کہ میں نے جیل کی تاریکیوں میں اُمت مسلمہ کے زوال و انحطاط کے اسباب پر بہت غور و فکر کیا اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ اُمت اسلامیہ کی زبوں حالی کی بالخصوص دو وجہیں ہیں: ایک قرآن کو ترک کرنا اور دوسرے آپس کے اختلافات۔ سو میں نے عزم کیا ہے کہ اپنے شاگردوں اور متوسلین کے ذریعے قرآنی دروس کو عام کروں گا۔ ڈاکٹر صاحب کی تمام تر سرگرمیاں اسی ارشاد کی تعمیل کہلائی جا سکتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی ساری تگ و دو ﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ کی مصداق تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی خدماتِ قرآنی کو قبول فرمائے و ران کے پسماندگان اور تمام عقیدت مندوں کو یہ تمام سلسلے جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

☆☆☆

روداد

بانئ تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو علمائے کرام کا خراج تحسین

رپورٹ: نیر اختر خان

بانئ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی وفات پر انجمن خدام القرآن پشاور اور تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ہونے والے تعزیتی اجتماع کی روداد، جس میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کے علاوہ ملک کے ممتاز علماء کرام مولانا سمیع الحق، ڈاکٹر شیر علی شاہ، مولانا الطاف الرحمٰن بنوی، مولانا طیب پنج پیری اور ڈاکٹر قبلہ ایاز نے اظہار خیال فرمایا

دینی و ایمانی رشتہ باقی تمام رشتوں سے بلند و بالا ہوتا ہے۔ اس تعلق و نسبت سے جب انسان آپس میں میل ملاقات و اجتماع کرتے ہیں تو وہ منظر دیدنی ہوتا ہے۔ ایسا ہی ایک اجتماع پشاور کے مشہور نشتر ہال میں انجمن خدام القرآن پشاور اور تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام منعقد ہوا، جس میں ملک کے جید علمائے کرام نے شرکت کی اور دین اسلام کے ایک خادم و داعی قرآن کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ یہ مکتب دیوبند کے نمائندہ علماء تھے جو ایک ایسے خادم دین کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کر رہے تھے جو براہِ راست ان کے طبقے و مسلک سے تو تعلق نہیں رکھتا تھا، البتہ اپنا فکری تعلق ان سے ضرور جوڑتا تھا۔ یہ شخصیت محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی تھی جن کو خراج عقیدت پیش کرنے والوں میں مولانا سمیع الحق مدظلہ، جناب ڈاکٹر شیر علی شاہ، مولانا الطاف الرحمٰن بنوی، مولانا طیب صاحب پنج پیری اور ڈاکٹر قبلہ ایاز شامل تھے۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے اور امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید تھے۔ نظامت کے فرائض امیر تنظیم اسلامی پشاور خورشید انجم نے انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔ سب معتبر علمائے کرام نے متفقہ طور پر ڈاکٹر صاحب کے درس و تدریس قرآن اور نظام خلافت کے احیاء اور غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کا نہ صرف برملا اعتراف کیا بلکہ اس راہ میں ان کی خدمات کو منفرد و یکتا قرار دیا۔ ان نامور ہستیوں نے اپنے اپنے انداز میں ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور سے اپنے تعلق اور ان کی شخصیت کے حوالے سے اظہار خیال فرمایا۔ اس اجتماع کی روداد مختصراً ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

سب سے پہلے مولانا الطاف الرحمٰن بنوی، شیخ الحدیث دارالعلوم امدادیہ پشاور کو دعوت خطاب دی گئی۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے اپنے ابتدائی تعلق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب وہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں زیر تعلیم تھے، اس وقت پہلی مرتبہ مسجد خضراء میں انہوں نے درس قرآن سنا۔ پھر یہ سلسلہ مسجد شہداء تک چلتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب کے منفرد اسلوب سے اس درجہ متاثر ہوا کہ جہاں موقع ملا ان سے استفادہ کرتا رہا۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ انہیں مدعو کر کے اپنے شہر بنوں لے گیا اور بڑے پیمانہ پر ان کے خطاب اور درس قرآن کا اہتمام کیا۔ مولانا نے ڈاکٹر صاحب کی دینی خدمات کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا اصل کارنامہ یہ ہے وہ اپنے پیچھے مدرسینِ قرآن کی ایک اچھی خاصی تعداد چھوڑ کر گئے ہیں۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ بعض کے دروس انہیں خود سننے کا موقع ملا اور وہ ان کے معیار سے حد درجہ مطمئن ہیں، جن میں ڈاکٹر صاحب کے اپنے صاحبزادگان بھی شامل ہیں

اور وہ اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ مولانا نے مزید فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کی جملہ اولاد بشمول بھائیوں، بھتیجوں، دامادوں اور خاندان کے مردوں اور عورتوں کے سب ان کے مشن میں ان کے معاون و مددگار ہیں اور ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔

مولانا سمیع الحق، امیر جمعیت علماء اسلام اور مہتمم دارالعلوم حقانیہ، (اکوڑہ خٹک) نے ڈاکٹر صاحب مرحوم سے اپنی رفاقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے مختلف پلیٹ فارموں جیسے متحدہ شریعت محاذ، ملی یکجہتی کونسل، دفاع افغانستان کونسل وغیرہ پر ایک ساتھ کام کیا اور نفاذ شریعت کے معاملے میں ڈاکٹر صاحب کو ہمیشہ سرگرم و مخلص پایا۔ انہوں نے واشگاف اور کھلے لفظوں میں اعتراف کیا کہ شریعت بل کے معاملے میں ان کے اپنے علماء نے ان کی اتنی حمایت نہیں کی جتنی ڈاکٹر صاحب نے کی۔ ان کے اپنوں میں سے بعض نے شریعت بل کو شرارت بل کہا اور اس کا مذاق بھی اڑایا۔ ڈاکٹر صاحب کی جرأت ایمانی اور غیرت دینی کے حوالے سے مولانا نے فرمایا کہ جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ طالبان نے افغانستان میں شریعت نافذ کر لی ہے تو ان کی سرعام اور کھلم کھلا حمایت کرتے رہے۔ ایسے وقت میں بھی جبکہ ان کے اپنے بزرگ ان کا نام لینے سے گھبراتے تھے۔ مولانا سمیع الحق نے ڈاکٹر صاحب کے سیاسی موقف کے بارے فرمایا کہ وہ انتخابی سیاست کی بجائے انقلابی طریق کار کو نفاذ اسلام کا درست راستہ سمجھتے تھے۔ مولانا نے انکشاف کیا کہ اب وہ خود بھی پارلیمانی سیاست کے ذریعہ نفاذ شریعت کو ناممکن سمجھتے ہیں، اور پارلیمانی سیاست کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیتے ہیں۔

مولانا صاحب سے پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ پارلیمانی و انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر انقلابی طریقہ کار کیوں نہیں اپناتے؟ شاید اس کی وجہ وہ ہو جو مولانا نے ڈاکٹر صاحب سے کہی تھی کہ آپ کے طریق انقلاب کی تکمیل کے لیے تو عمر نوح چاہیے!! جبکہ ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کا موقف یہ تھا کہ ہم انقلاب برپا کرنے کے مکلف نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہم سے تقاضا جدوجہد کا ہے اور وہ حق جہادہ کی شان کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ہم تو مولانا کی خدمت میں دست بستہ عرض کریں گے کہ وہ ملک خداداد میں نفاذ شریعت کے لیے انقلابی طریق کار کو اختیار کر کے تو دیکھیں۔ ان شاء اللہ تمام دین پسند قوتیں ان کی پشت پناہ ہوں گی۔ بالفرض یہاں کامیابی نہیں ملتی تو کوئی بات نہیں، آخرت کی کامیابی تو یقینی ہو گی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی تو حجاز مقدس پر اسلام کا غلبہ نہیں دیکھا تھا لیکن اسد اللہ و اسد رسولہ تو وہی کہلائے۔ صرف جذبۂ خیر خواہی کے تحت یہ گزارشات کی ہیں۔ امید ہے کہ مولانا صاحب ان کو گستاخی پر محمول نہیں کریں گے۔

ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب، شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ، (اکوڑہ خٹک) آج کی نشست کے تیسرے مقرر تھے۔ موصوف نے اپنے مخصوص عالمانہ انداز و عرب لہجہ میں دنیا کو وطن اقامت اور آخرت کو وطن اصلی سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ساری جدوجہد وطن اصلی کے لیے کی اور بڑی شان سے کی۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت قرآنی کو مولانا حسین علی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا غلام اللہ خان اور مولانا درخواستی رحمھم اللہ جیسے اکابر کی خدمات کا تسلسل قرار دیا اور بڑے وثوق سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی دینی خدمات کو ضرور قبولیت سے نوازیں گے۔ ان شاء اللہ۔

مولانا طیب طاہری آف پنج پیر بھی آج کی اس پروقار تقریب میں مدعو تھے۔ اپنی کسی مصروفیت کے باعث بنفس نفیس تشریف نہ لا سکے۔ لیکن اپنے ٹیلیفونک خطاب میں انہوں نے بھی ڈاکٹر صاحب کی دینی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور یہ انکشاف بھی کیا کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی دعوت پر ان کے والد مولانا طاہر پنج پیری رحمہ اللہ نے لاہور جا کر ایک ہفتہ کے لگ بھگ ڈاکٹر صاحب کی اکیڈمی میں منتخب سورتوں کا درس دیا تھا، جس سے ڈاکٹر صاحب نے بھی استفادہ کیا تھا۔

ڈاکٹر قبلہ ایاز، ڈائریکٹر انسٹیٹیوٹ آف عربک اینڈ اسلامک سٹڈیز، پشاور یونیورسٹی نے بھی اپنے محققانہ انداز میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے علمی مقام و کام کا تذکرہ کیا اور ان کی خدمت قرآنی کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمھما اللہ کی جدوجہد کا بہترین نمونہ و تسلسل قرار دیتے ہوئے خاص طور پر مقام صحابہؓ کے حوالے سے واضح کیا کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اس ضمن میں انتہائی قابل قدر کام کیا ہے جو دفاع اسلام کی شاندار خدمت ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے عرض ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے تین کتابچے شہید مظلوم جو عثمان غنیؓ کے بارے میں ہے، مثیل عیسیٰؑ یعنی حضرت علیؓ اور سانحہ کربلا حضرت حسینؓ کی شہادت کے حوالے سے پڑھنے لائق ہیں۔

اس تقریب کے مہمان خصوصی ڈاکٹر صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند اور امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید تھے۔ انہوں نے اپنے والد ماجد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ میرے صرف حقیقی والد ہی نہیں بلکہ روحانی باپ بھی تھے۔ انہوں نے بچپن سے ہی اپنے سارے بچوں کو ایسا سبق پڑھایا کہ سب بچے وبچیاں نہ صرف یہ کہ قرآن و دین اسلام کے شیدائی ہیں بلکہ اپنے باپ کے مشن کو آگے بڑھانے میں اپنی زندگیاں کھپا رہے ہیں اور اپنے باپ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ ثابت ہو رہے ہیں۔ ماشاءاللہ

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ ’’قرآن اکیڈمی K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور‘‘ میں

6/جون بروز اتوار نماز عصر تا 12/جون 10ء بروز ہفتہ نماز ظہر

مبتدی تربیتی کورس

منعقد ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت — برائے رابطہ: 042-6316638-6366638 / 0333-4311226

طالبان اقتدار کے خاتمے کے بعد

کٹھ پتلی حکومت کا قیام اور پائپ لائن معاہدے

ترجمہ: محمد فہیم

عابد اللہ جان کی معرکہ آرا کتاب

"Afghanistan: The Genesis of the Final Crusade" کا قسط وار اُردو ترجمہ

تیل کے مفاد کے علاوہ افغانستان ایک اور پہلو سے بھی امریکہ کے لیے ایک اہم ملک ہے۔ دفاعی حکمت عملی کے نقطہ نظر سے یہاں امریکہ کی کٹھ پتلی حکومت اس خطہ میں اس کے اثر ورسوخ کے لیے باعث تقویت ہوگی۔ خواہ ایسی کوئی حکومت سابقہ طالبان کی ہو یا موجودہ کرزئی میونسپلٹی کی حیثیت میں ہو۔ جزوی طور پر ایک مضبوط پاکستان کسی بھی مضبوط ڈکٹیٹر شپ کے تحت امریکی اثر کے لیے سودمند ہوگا۔ کیونکہ پاکستان اس خطے میں امریکہ کے لیے ایک اہم بیس (Base) کی حیثیت رکھتا ہے۔

روس سے کنی کترا کر نئی آزاد ریاستوں کی ایک دولت مشترکہ کی تشکیل کے ساتھ بحیرۂ کیسپین تک تیل اور گیس پائپ لائن بچھانے اور اسے امریکہ کے زیر اثر گلوبل مارکیٹ تک پہنچانے سے کارپوریٹ دہشت گردوں کے مفادات کو آگے بڑھانے میں کافی مدد ملی۔ طالبان کے زوال کے بعد کابل میں ایک کٹھ پتلی حکومت کے قیام اور بغیر کسی تاخیر کے پائپ لائن معاہدہ پر دستخط کرنے سے ان حقائق کی پوری شہادت ملتی ہے کہ تیل اور گیس کے ذخائر پر قبضہ کرنے کے لیے یہ سب کچھ کیا گیا۔

افغانستان پر قبضہ کرنے کے ایک سال بعد دسمبر 2002ء میں 1460 کلومیٹر طویل گیس پائپ لائن پراجیکٹ کے لیے پاکستان، افغانستان اور ترکمانستان کے مابین 3.2 بلین ڈالر کا فریم ورک معاہدہ ہوا، جس کی رو سے یہ پائپ لائن ان تینوں ملکوں پر سے ہو کر گزرے گی۔ اس سے پہلے اسی سال مئی کے مہینہ میں ان تینوں ملکوں نے اسلام آباد میں پہلی میٹنگ کے دوران ایک معاہدے پر دستخط کئے تھے جس کے تحت تیل اور گیس کے لیے ایک پائپ لائن ترکمانستان سے افغانستان کے راستے پاکستان تک بچھائی جائے گی۔ اس حوالے سے کام کی تیز رفتاری قابل غور ہے کہ 2001ء میں افغانستان پر قبضہ ہوا اور اگلے سال کے وسط تک پائپ لائن معاہدہ کی تکمیل ہوگئی۔

ذرا آگے دیکھئے، قدرتی وسائل پر قبضہ کی کتنی جلدی تھی کہ نائن الیون کے بعد ایک مہینہ سے بھی کم مدت میں آپریشن "Enduring Freedom" (یعنی آزادی) کے لیے بمباری 7 اکتوبر 2001ء کو شروع ہوگئی۔ اس کے صرف ایک روز بعد یعنی 8 اکتوبر 2001ء کو پاکستان میں متعین امریکی سفیر ونڈی چیمبرلین نے پاکستان کے تیل کے وزیر سے ٹرانز افغان پائپ لائن کے معاملات کو از سر نو زیر گفتگو لانے کے لیے ملاقات کی۔ 24 دسمبر کو UNOCAL کے سابق مشیر حامد کرزئی کو افغانستان کا عبوری صدر مقرر کیا گیا۔ اس کے چھ دن بعد ایک اور UNOCAL مشیر اور نیشنل سیکیورٹی کونسل ممبر زلمے خلیل زاد کو پہلے افغانستان میں امریکہ کا خصوصی نمائندہ اور بعد ازاں سفیر مقرر کر دیا گیا۔

زلمے خلیل زاد PNAC یعنی ''پراجیکٹ فار دی نیو امریکن سنچری'' کا ممبر تھا۔ اس تنظیم نے نائن الیون سے ایک سال پہلے 2000ء کے موسم خزاں کے دوران ایک دستاویز بعنوان "Rebuilding America,s Defenses" شائع کی۔ یہ تنظیم خلیل زاد کے علاوہ ایسے افراد نے مل کر بنائی تھی جو ریگن اور بُش اوّل کی انتظامیہ کے ممبر یا کم از کم حامی تھے، جن میں سے اکثر بُش ثانی کی انتظامیہ میں مرکزی حیثیت حاصل کر گئے۔ ان افراد میں رچرڈ آرمیٹج، جان بولٹن، ڈک چینی، زلمے خلیل زاد (جو پال ولفووٹز کے قریبی ساتھی تھے)، لیوس ''سکوٹر'' لیبی، رچرڈ پارلے، ڈونلڈ رمزفیلڈ، پال ولفووٹز اور جیمز اولزے شامل تھے۔ لیبی (ڈک چینی کا چیف آف سٹاف) اور ولفووٹز (رمزفیلڈ کا ڈپٹی) وہ لوگ ہیں جنہوں نے براہ راست پراجیکٹ ''ری بلڈنگ امریکن ڈیفنس'' کے بنانے میں حصہ لیا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ نائن الیون کمیشن کا ایک ممبر جان لیمن PNAC کا یا ممبر رہا ہے یا کم از کم پبلک میں اس کے ساتھ متعلق گنا جاتا ہے۔

PNAC ڈاکومنٹ میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ امریکی برتری کی منزل کی طرف تیزی سے پیش قدمی اُسی صورت میں کی جا سکتی ہے جب امریکہ کو کسی تباہ کن اور عمل انگیز واقع سے دوچار کر دیا جائے۔ گویا ایک نیا پرل ہاربر وقوع پذیر ہو۔'' نائن الیون کے واقعہ نے بُش اور اس کے ہمہ مقتدر ساتھیوں کو یہ موقع فراہم ہی کر دیا۔ امریکہ کے افغانستان پر حملہ کے بعد اس کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے زلمے خلیل زاد اور کرزئی جیسے لوگ موجود تھے۔ یہ دونوں حضرات پہلے UNOCAL کے پے رول پر تھے۔

اپنے عہدہ پر مقرر ہونے کے 40 دن سے بھی کم عرصہ میں خلیل زاد نے ترکمانستانی صدر ساپا مورات نیازوف کے ساتھ اشک آباد میں ترکمان افغان پائپ لائن کے معاہدہ کے لیے دستخط کر دیئے۔ اسی طرح ایک مہینہ سے بھی کم مدت کے بعد 7 مارچ 2002ء کو اسی قسم کے ایک معاہدہ پر کرزئی نے پاکستانی ڈکٹیٹر پرویز مشرف کے ساتھ اسلام آباد میں دستخط کر دیئے۔

تین مہینوں کے اندر اندر 31 مئی 2002ء کو کرزئی، مشرف اور نیازوف نے ایک MOU (میمورنڈم آف انڈرسٹینڈنگ) پر اسلام آباد میں دستخط کر دیئے، جس کی رُو سے ٹرانز افغان پائپ لائن میں کارپوریٹ سرمایہ لگانے کا مطالبہ کیا گیا۔ 10 جون 2002ء کو ربڑ سٹیمپ لویہ جرگہ نے ظاہر شاہ کو بائی پاس کر کے، (جن کے ساتھ طالبان اقتدار کے دوران وعدے کئے گئے تھے) کرزئی کو 2 سال کے لیے افغان عبوری صدر نامزد کر دیا گیا۔

اس کے بعد کے واقعات افغانستان پر قبضہ کے مقاصد کو مزید واضح کرتے ہیں۔ 19 جولائی 2002ء کو جاپانی سینئر وزیر نے ٹرانز افغان پائپ لائن میں جاپانی سرمایہ کاری کی خواہش ظاہر کی تو اُس کی انرجی کمپنی ''گز پرام'' نے ایک مہینہ کے معاہدے کی بنیاد پر افغان آئل اور گیس کے ذخائر کے تجزیئے کے لیے معاہدہ کیا۔ 12 اگست کو ایشین ڈیویلپمنٹ بنک نے فزیبلٹی سٹڈی کے لیے 1.5 ملین ڈالر کے لیے ہاں کر دی اور 20 ستمبر کو منیلا میں اس پائپ لائن کے لیے فنڈز دینے کے لیے میٹنگ کی گئی۔

طالبان اقتدار کے خاتمے کے ایک سال بعد کا دورانیہ یہ بتاتا ہے کہ ایک سٹیک ہولڈر امریکہ کے مقاصد کیا تھے۔ امریکہ نے پہلے تو طالبان کو خوشامد کے ذریعے راغب کرنے کی کوشش کی اور جب بات نہ بنی تو تباہی کی ٹھان لی۔ کیونکہ وہ اپنے اہداف حاصل کرنے پر بہر حال اُدھار کھائے بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی میڈیا پر مسلط اسلام خائف پالیسی ساز اداروں سے متعلق عناصر اور دوسرے محاذوں پر قابض سیموئیل ہنگٹنٹن اور برنارڈ لیوس جیسے وارلارڈ کی طرف سے دباؤ کو امریکی انتظامیہ سہار نہ سکی۔

(جاری ہے)

بیابہ مجلس اسرار

قوت بیان کا اصل اور مفید ترین مصرف

﴿الرَّحْمٰنُ ۝١ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝٢ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝٣ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝٤﴾

''رحمٰن۔ اُسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی۔ اُسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اُسی نے اس کو بولنا سکھایا۔''

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سب سے پیارا نام ''رحمٰن'' ——اس نے جو علم انسان کو دیئے اس میں چوٹی کا علم ''قرآن'' ——اس نے جو کچھ بنایا ہے اس میں چوٹی کی تخلیق ''انسان'' —— انسان کو جو صلاحیتیں دی ہیں ان میں چوٹی کی صلاحیت ''بیان''۔ تو جیسے ہم کہتے ہیں توپ سے مکھی نہیں ماری جاتی، توپیں کسی اور کام کے لیے بنتی ہیں، اسی طرح تم اس قوتِ بیان کو دنیاوی چیزوں کے لیے صرف نہ کرو۔ دنیا کی چیزوں کی اللہ کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں۔ ساری دنیا میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں۔ اسی قوت بیان کے زور پر ایک شخص عوامی مقرر اور لیڈر بن جاتا ہے، کوئی ڈکٹیٹر بن جاتا ہے، ہٹلر بن جاتا ہے، بھٹو بن جاتا ہے۔ اسی قوت بیان سے ایک وکیل ایک ایک پیشی کے پانچ پانچ لاکھ روپے لے لیتا ہے۔ حالانکہ وہی قانون ان وکیلوں نے بھی پڑھ رکھا ہوتا ہے جو بے چارے جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہوتے ہیں اور انہیں کوئی اپنا وکیل نہیں کرتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ سرٹیفکیٹ attest کر کے تھوڑے سے پیسے کما لیتے ہیں۔ لہٰذا اِس قوت بیان کا اصل مصرف یہ ہے کہ اِسے قرآن کے لیے استعمال کیا جائے۔

(از بیان القرآن، حصہ اوّل)

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

امیر محترم کا دورۂ گوجرانوالہ ڈویژن

2 مئی شیڈول کے مطابق امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید کا حلقہ گوجرانوالہ کا دورہ تھا۔ موقع کی مناسبت سے یکم تا 2 مئی دو روزہ دعوتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ یکم مئی کو عصر کے وقت سے رفقاء کی پروگرام میں آمد شروع ہوگئی۔ بعد نماز مغرب امیر حلقہ شاہد رضا نے افتتاحی کلمات کہے۔ اس کے بعد حلقہ کے ناظم دعوت و تربیت حاجی خادم حسین نے ''اعراض عن الجہاد'' پر مفصل لیکچر دیا۔ نماز عشاء اور عشائیہ کے بعد امیر حلقہ نے نئے آنے والے ساتھیوں سے تعارف حاصل کیا۔

2 مئی کو نماز فجر کے بعد تجوید کی درستی کی کلاس ہوئی۔ ناشتا کے بعد ساڑھے آٹھ بجے پروگرام دوبارہ شروع ہوا تو امیر محترم بھی نائب ناظم اعلیٰ کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ سب سے پہلے مرکزی ناظم تربیت اویس احمد چیمہ نے بانیٔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کو خراج عقیدت پیش کیا اور رفقاء کے سامنے اُن کے مشن اور انتھک جدوجہد کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں مرحوم بانی تنظیم اسلامی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے احیائے اسلام کے عظیم مشن کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں لگا دینی چاہئیں۔ تنظیم اسلامی سیالکوٹ کے رفیق خالد یعقوب نے ''سمع و طاعت'' کے موضوع پر درس حدیث دیا۔ اس کے بعد امیر حلقہ نے حلقے کے تعارف کے دوران علاقے کا حدود اربع، تنظیم، اُسرہ جات کی تفصیل اور اُن کی کیفیت کو واضح کیا۔ بعد ازاں امرائے تنظیم اور نقبائے منفرد اُسرہ جات نے یکے بعد دیگرے اپنی تنظیم اور اسرہ کا تعارف کروایا۔ تنظیم میں نئے شامل ہونے والے رفقاء کا تعارف بھی امیر محترم سے کرایا گیا۔ تعارفی نشست کے بعد امیر محترم کا مفصل خطاب ہوا، جو بانیٔ محترم کے مشن اور تنظیم اسلامی کی جدوجہد کے حوالے سے تھا۔ امیر محترم نے دعوت کو خصوصی ہدف قرار دیا اور اُسے عام کرنے کی نصیحت کی۔ انہوں نے کہا کہ ہر رفیق تنظیم داعی بنے تاکہ غلبہ و اشاعت دین کا یہ مشن آگے بڑھ سکے۔ انہوں نے تربیتی کورسز کے انعقاد پر بھی زور دیا۔ بعد ازاں سوال و جواب کی نشست ہوئی، جس میں امیر محترم نے رفقاء اور احباب کے سوالوں کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد انہوں نے مرحومین اور بالخصوص بانیٔ محترم کی مغفرت اور بیماروں کی شفایابی کے لیے دعا کرائی۔ امیر تنظیم اپنے خطاب کے دوران بانیٔ محترم کا تذکرہ کرتے ہوئے آبدیدہ ہوگئے۔ اس موقع پر ہال میں بیٹھے رفقاء کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہوگئے۔ اللہ بانیٔ محترم کی مغفرت فرمائے اور رفقاء تنظیم کی دینی کاوشوں کو اُن کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ (آمین) ظہرانے کے بعد یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا، اور رفقاء اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ (رپورٹ: حافظ محمد عاصم قاسمی)

حویلی لکھا، اوکاڑہ میں ناظم اعلیٰ انجمن خدام القرآن ڈاکٹر عارف رشید کا خطبہ جمعہ

حلقہ پنجاب شرقی کے ایک منفرد رفیق محترم نسیم قطب نے جو حویلی لکھا سے تعلق رکھتے ہیں، حویلی لکھا چوک شہیداں ہیڈ سلیمانکی روڈ پر ایک خوبصورت مسجد تعمیر کروائی۔ (یاد رہے کہ اسی راستے سے بانیٔ تنظیم اسلامی تقسیم برصغیر کے وقت 20 دن کا پیدل سفر طے کر کے یہاں سے سرزمین پاکستان میں داخل ہوئے تھے۔) نسیم قطب کی شدید خواہش تھی کہ اس مسجد کا افتتاح بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے دست مبارک سے فرمائیں۔ ان کی اس خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے راقم نے بانیٔ محترم سے ملاقات کی۔ مشورہ کے بعد 16 اپریل 2010ء مسجد کا افتتاح اور خطبہ جمعہ بعنوان ''سچا امتی کون؟'' ہونا طے پایا۔ لیکن شاید قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا اور وہ بندۂ درویش اور مرد قلندر جو کم و بیش 60 سال سے مسلسل قرآن کی منادی کر رہا تھا، اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ خطبہ جمعہ سے ٹھیک دو دن قبل 14 اپریل بوقت تہجد اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ اللہ رب العزت ان کو غریق رحمت فرمائے اور ان کی پوری زندگی کی جدوجہد اور مساعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور ہم رفقاء تنظیم کو ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اس کے بعد اس مسجد کا افتتاحی خطبہ جمعہ 30 اپریل 2010ء کو بانی تنظیم اسلامی کے فرزند ارجمند

محترم ڈاکٹر عارف رشید صاحب (ناظم اعلیٰ انجمن خدام القرآن لاہور) نے ''سچا امتی کون'' کے موضوع پر ارشاد فرمایا۔ نماز جمعہ میں 600 کے قریب احباب نے شرکت فرمائی۔ سامعین نے ڈاکٹر عارف رشید صاحب کے خطاب کو بہت پسند کیا اور آئندہ بھی ایسے مقررین کو مدعو کرتے رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

یاد رہے کہ اس موقع پر بانی محترم کی تقاریر کے آڈیو کیسٹس، ویڈیو سی ڈیز، ڈی وی ڈیز اور کتب پر مبنی سٹال بھی لگایا گیا۔ جس سے بانی محترم کے عقیدت مند مستفید ہوئے۔ خطبہ جمعہ کے بعد سٹال پر لوگوں کا اِس قدر رش تھا کہ سٹال پر کھڑے پانچ رفقاء ان کو کتب اور سی ڈیز مہیا کرنے میں بے بس نظر آرہے تھے۔ (رپورٹ: محمد ناصر بھٹی، امیر حلقہ پنجاب شرقی)

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کے زیراہتمام یک روزہ تربیتی پروگرام

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کے زیراہتمام 24 اپریل 2010ء کو مسجد الہدیٰ اپر ملک پورہ میں ایک تربیتی پروگرام منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز ظہر راقم کے ابتدائی کلمات سے ہوا۔ اس کے بعد جناب ذوالفقار علی نے ''حظِ عظیم'' کے عنوان سے سورۃ حٰم السجدہ کی آیات کا درس دیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ یہاں ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی اعلیٰ ترین منازل کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد محمد ہارون قریشی نے تجوید کی کلاس لی۔ پھر بصیر احمد نے تعلیم و تعلم قرآن کے حوالے سے حدیث مبارکہ بیان کی۔ امیر اور مامور کے باہمی تعلق پر اجمل خان نے گفتگو کی۔ بعدازاں سردار محمد ثاقب نے اسلامی تناظر میں حالاتِ حاضرہ پر بات کی۔ پھر راقم نے سورۃ البقرہ کے 23 ویں رکوع کی آخری آیت کے حوالے سے ''اکل حلال'' کے عنوان پر درس دیا، اور اکل حلال کی اہمیت اور حرام خوری کی شناعت کو واضح کیا۔ اس کے بعد محمد طاہر نے مسنون دعا کا مذاکرہ کروایا۔

بعد نماز عصر محمد ہارون قریشی نے درسِ حدیث دیا۔ بعدازاں پروگرام کو مزید بہتر بنانے کے لیے تجاویز لی گئیں۔ پھر محمد ہارون قریشی نے ''قراردادِ تاسیس'' کا مطالعہ کروایا۔ ضروری امور پر مشاورت اور دُعا کے ساتھ پروگرام کا اختتام ہوا۔ اللہ تعالیٰ رفقاء کی یہ سعی و جہد اپنے دربار میں قبول و منظور فرمائے اور اِسے ہمارے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

(مرتب: اسد قیوم)

تنظیم اسلامی بی بیوڑ کا ماہانہ تربیتی اجتماع

30 اپریل 2010ء تنظیم اسلامی بی بیوڑ کے زیراہتمام بی بیوڑ کے مقام پر ایک ماہانہ تربیتی اجتماع کا انعقاد کیا گیا، جس میں کثیر تعداد میں رفقاء کے علاوہ احباب نے بھی شرکت کی۔

پروگرام کا آغاز درس قرآن سے کیا گیا۔ جناب عالم زیب نے درس دیا۔ درس قرآن کے بعد ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے عنوان سے ایک مذاکراتی نشست ہوئی جو مغرب تک جاری رہی۔ مغرب اور عشاء کے درمیانی وقفے میں ''حزب اللہ کے اوصاف'' پر جناب ممتاز بخت نے روشنی ڈالی۔ بعدازنماز عشاء راقم الحروف نے درس حدیث کی سعادت حاصل کی۔ پروگرام کی اگلی نشست جو تقریباً 45 منٹ کے وقفہ پر محیط تھی، دین اور مذہب کے عنوان سے تھی، جس کی ذمہ داری بھی مقامی امیر تنظیم نے ادا فرمائی۔ نماز فجر کے بعد معمول کا درس ہوا اور آخر میں حفظ و تجوید کے حوالے سے ایک نشست ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ واضح رہے کہ پروگرام کے اختتام پر ان رفقاء سے ملاقات بھی کی گئی جو بوجوہ پروگرام میں شریک نہ ہوسکے تھے۔ (رپورٹ: ولی اللہ)

☆☆☆

کہ میرے بابا چلے گئے ہیں

《اُمِّ عمر اسعد مختار》

میں غمزدہ ہوں عجیب غم سے
مگر مری روح پرسکوں ہے
تمام عالم پہ غم کی چادر سی تن گئی ہے
کہ میرے بابا چلے گئے ہیں
وہ جن کے جانے سے قوم ساری یتیم سی ہے
مری مسلماں ہزاروں بہنیں، تمام رشتوں کے درمیاں بھی
مجھے یہ رورو کے کہہ رہی ہیں
ہمارے سر سے وہ رحمتوں کی دبیز چادر اتر گئی ہے
ہمیں یہ دکھ ہے
ہمارا محسن، پیامِ قرآں سنانے والا نبی کے اُسوے پہ لانے والا
عظیم انساں چلا گیا ہے
وہ روشنی کا ستارہ بن کر چہار سو روشنی کی کرنیں
بکھیر کر تھک کے سو گیا ہے
تمام اُمت کے غم کو دل سے لگانے والا
عجیب بے غم سا ہو گیا ہے
وہ اس جہانِ فنا میں مٹ کر ''عمل'' کو سرشار کر گیا ہے
جسے بقا ہے!
سمائے دنیا کے سارے رستے عبور کرکے، وہ رب کا مہمان ہو گیا ہے
مرا نہیں ہے وہ جی اٹھا ہے
شہادتوں اور گواہیوں کی... صدائیں ہر سُو بکھر گئی ہیں
بہر سو دستِ دعا اٹھائے ہزاروں نالے
خدا کی جانب رواں دواں ہیں
مجھے یقیں ہے، وہ اپنے رب کی امان میں ہے
بہت ہی خوش ہے
یہی وجہ ہے
کہ روح میری سکون میں ہے
یہی وجہ ہے
میں غمزدہ ہوں عجیب غم سے...!

constantly practicing its dictates.

- Cementing the faithfuls in a single fraternity irrespective of their caste, colour, language or territory.
- Training of the faithfuls both physically as well as spiritually so as to attain high standard of discipline.
- Initiating a peaceful movement, in a passive way, directed towards altering the existing unislamic collective system till the attainment of a sizable number of human potential.
- Launching an active resistance movement fully observing the moral and spiritual rules after having gained sufficient strength that may challenge and uproot the prevailing socio-political order.
- Armed Conflict --- There comes a time when forces of devil and its agents set out to fight with the forces of virtue and piety. Here the Quran enjoins the believers to fight until the Deen of Allah becomes supreme. (Al-Anfal:39)

UTILIZING ALL AVAILABLE MEANS OF COMMUNICATION

Dr. Israr Ahmad first appeared on Pakistan Television in 1978 in a program called Al-Kitab; this was followed by other programs, known as Alif Lam Meem, Rasool-e-Kamil, Umm-ul-Kitab and the most popular of all religious programs in the history of Pakistan Television, Al-Huda, which made him a household name throughout the country. Although he did not like to receive it personally, Dr. Israr Ahmad was awarded Sitara-e-Imtiaz in 1981.

PUBLICATIONS

Dr Sahib has to his credit over 60 Urdu books on topics related to Islam and Pakistan, 19 of which have been translated into English. In the context of Quranic exegesis and understanding, Dr. Israr Ahmad is a firm traditionalist of the genre of Maulana Mehmood Hasan Deobandi and Allama Shabeer Ahmad Usmani; yet he presents Quranic teachings in a scientific and enlightened way, being also a disciple of Allama Iqbal and Dr. Muhammad Rafi-ud-Din, and also because of his own background in science and medicine. Concerning the internal coherence of and the principles of deep reflection in the Quran, he has essentially followed the thinking of Maulana Hameed-ud-Din Farahi and Maulana Ameen Ahsan Islahi, though even here he has further developed their line of argument, hermeneutics and internal coherence of Quranic surahs.

GENESIS OF HIS REVOLUTIONARY THOUGHT

Dr. Israr Ahmad believed in a dynamic and revolutionary conception of Islam, and in this regard he was a disciple of Maulana Abul Kalaam Azad and Maulana Sayyed Abul A`la Maududi.

For the last forty years or so, Dr. Israr Ahmad had been actively engaged not only in reviving the Quran-centered Islamic perennial philosophy and world-view but also reforming the society in a practical way with the ultimate objective of establishing a true Islamic State, or the System of Khilafah. He had widely traveled abroad and the audio and video tapes of his Quranic discourses in Urdu and English languages have circulated in thousands throughout the world.

Allah may enable us to carry forward his mission. Ameen!

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال پر

ماہنامہ میثاق لاہور کی خصوصی اشاعت

صفحات: 192

قیمت: 50 روپے

"بیان القرآن" (سلسلہ وار) اور "اسلام کا اخلاقی و روحانی نظام" از محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ
کے علاوہ مندرجہ ذیل خصوصی مضامین:

- ڈاکٹر اسرار احمد: حالاتِ زندگی اور خدماتِ دینی — انجینئر نوید احمد
- اسرار بھائی —— رفتید و لے نہ از دلِ ما — پروفیسر خورشید احمد
- "قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن!" — حافظ محمد ادریس
- احساسات — پروفیسر تسنیم احمد
- ڈاکٹر اسرار احمد: شخصیت، فکر اور تحریک — پروفیسر نثار احمد ملک
- ڈاکٹر اسرار احمد — پروفیسر میاں محمد اکرم
- ڈاکٹر اسرار احمد: پیکر صدق و وفا — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
- "وہ مہرباں جو مہر سے محروم کر گیا" — بلقیس قمر سبزواری
- اُستادِ محترم کی یاد میں — کاشف حفیظ صدیقی
- "اے تماشا گاہِ عالم روئے تو!" — ڈاکٹر محمد مقصود
- ڈاکٹر اسرار احمدؒ: ایک کارکن کی نظر میں — عبد المتین مجاہد
- خادمِ قرآن: کچھ یادیں، کچھ باتیں — حافظ محمد زبیر
- اسرار احمد —— میرا ماں جایا — اقتدار احمد مرحوم
- ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا تاریخ میں مقام و مرتبہ — محمد نذیر یٰسین
- وفات محترم بانی تنظیم (پرنٹ میڈیا کے آئینے میں) — مرکز تعلم و تحقیق

آج ہی طلب کیجئے

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 042-35869501-3، email:maktaba@tanzeem.org

Zameer Akhtar Khan

A TRUE REVOLUTIONARY OF OUR TIME

We Pakistanis were lucky enough that we had a true revolutionary like Dr Israr Ahmad who is no more with us. Allah may bless him! He breathed his last on April 14, 2010 at mid-night when as per Hadith Allah descends to the heaven closer to this world. Dr Sahib took advantage of this descent and met his Creator, the Lord of all created beings. Alas! We could not pay heed to his revolutionary call as our Iranian brothers did to their leader Ayatollah Khomeini. Resultantly we are still far from true Islamic State whereas Iranians have established an Islamic State as per their theological beliefs and perceptions.

It is true that Dr Sahib is known as a scholar of the Holy Quran. But very few people know that he was a great revolutionary who formed a revolutionary party by the name of Tanzeem-e-Islami, Pakistan. Dr. Israr Ahmad was its founder Ameer and was a well-known figure in Pakistan, the Middle East, and North America for his efforts in drawing the attention of Muslims in general and their educated classes in particular towards the teachings and wisdom of the Holy Quran. As against the detached, cool, and sterile academicism of many contemporary Muslim scholars, Dr. Israr Ahmad firmly believed in the methodology of "reflection-through-action" which he thought was amply supported by a verse of the Holy Quran:

> "As for those who strive in Us, We surely guide them to Our paths."
> (Al-Ankabut: 69)

Dr Sahib has left behind a rich legacy of thought and actions. Current Ameer of Tanzeem-e-Islami Hafiz Akif Saeed will hopefully prove worthy of our expectations. Insha Allah!

GENERAL INTRODUCTION

Dr. Israr Ahmad, the second son of a government servant, was born on April 26, 1932 in Hisar (a district of East Punjab, now a part of Haryana) in India. He graduated from King Edward Medical College (Lahore) in 1954 and later received his masters in Islamic Studies from the University of Karachi in 1965. He came under the influence of Allama Iqbal and Maulana Abul A`la Maududi as a young student, worked briefly for Muslim Students Federation in the Independence Movement and, following the creation of Pakistan in 1947, for the Islami Jamiyat-e-Talaba and then for the Jamaat-e-Islami. Dr. Israr Ahmad resigned from the Jamaat in April 1957 because of its involvement in the electoral politics, which he believed was irreconcilable with the revolutionary methodology adopted by the Jamaat in the pre-1947 period.

While still a student and an activist of the Islami Jamiyat-e-Talaba, Dr. Israr Ahmad gained considerable fame and eminence as a mudarris (or teacher) of the Holy Quran. Even after resigning from the Jamaat, he continued to give Quranic lectures in different cities of Pakistan, and especially after 1965 he had, according to his own disclosure, invested the better part of his physical and intellectual abilities in the learning and teaching of the Quranic wisdom.

THESIS OF HIS THOUGHT

Dr. Israr Ahmad wrote an extremely significant tract in 1967 in which he explained his basic thought --- that an Islamic Renaissance is possible only by revitalizing the Iman (true faith and certitude) among the Muslims, particularly their intelligentsia. The revitalization of Iman, in turn, is possible only by the propagation of the Quranic teachings and presenting the everlasting wisdom of the Book of Allah (SWT) in contemporary idiom and at the highest level of scholarship. This undertaking is essential in order to remove the existing dichotomy between modern physical and social sciences on the one hand and the knowledge revealed by Almighty Allah (SWT) on the other. This tract is available in English as "Islamic Renaissance: The Real Task Ahead".

LAUNCHING REVOLUTIONARY MOVEMENT

Dr. Israr Ahmad gave up his medical practice in 1971 in order to launch a full-fledged and vigorous movement for the revival of Islam. As a result of his efforts, the Markazi Anjuman Khuddam-ul-Quran Lahore was established in 1972, Tanzeem-e-Islami was founded in 1975, and Tahreek-e-Khilafat Pakistan was launched in 1991. His revolutionary thought and methodology may be summed up as the evolutionary process followed by the Holy Prophet (SAW), which ultimately resulted in a total revolution, comprised of the following six stages:

- Development of faith (Al-Eman) with the help of the Holy Quran by preaching and conveying its message and purifying the souls through